Volume:12 Issue: 4 April 2019

مدیر
مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

وسعت قلبی بشارت اور شقاوت قلبی عذاب ہے

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾ (سورۃ الزمر)

ترجمہ: بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے (سنگ دلوں کے برابر ہوسکتا ہے) ہاں بربادی ان کی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہوچکے ہیں یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں (سورہ زمر)

تشریح: دین اسلام میں وسعت قلبی اور شقاوت قلبی کا تصور علیحدہ علیحدہ ہے۔ وسعت قلبی جس کو قرآن مجید نے شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر اتنی استعداد موجود ہو کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نظام تکوینی اور قدرت الٰہیہ میں غور و فکر کر کے عظمتِ خداوندی کی گواہی دے اور قرآن مجید کے بیان کردہ احکامات پر عمل کرے، سابقہ امم کی ہلاکت کے واقعات پڑھ کر عبرت حاصل کرے، اور پوری بصیرت کے ساتھ احکامِ قرآن پر عمل پیرا رہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو کسی صحابیؓ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرح صدر کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نور ایمان کسی کے قلب میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کا قلب وسیع سے وسیع تر ہوجاتا ہے، ایمان کا نور جس قدر دل میں بسے گا اسی قدر اسلام کے تعلق سے دل میں وسعت پیدا ہوگی جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا بھی آسان ہوجائے گا، اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرح صدر کی کیا علامتیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا الانابۃ الی دار الخلود و التجافی عن

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

دار الغرور و التأھب للموت قبل النزول ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف مائل ہونا اور دھوکے کے گھر کی لذتوں اور زینتوں سے دور رہنا یعنی اعمال و اخلاق کو بگاڑنے والی، ایمان کو کمزور کرنے والی، نیکیوں کو ضائع کرنے والی چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

شرح صدر کے سلسلے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیان کردہ اِن علامتوں سے اپنا احتساب سہل ہوجاتا ہے کہ ہمارے سینے میں اسلام کی تبیٔں وسعتِ قلبی ہے یا نہیں؟ پہلی علامت ہے الانابۃ الیٰ دار الخلود یعنی اپنی زندگی کو آخرت کے توشے کی تیاری اور جنت کے مستحق بنانے کی فکر میں صرف کرنا یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارے دل میں آخرت کا احساس اور روزِ محشر اللہ کے مواخذے کا خوف ہو دوسری علامت ہے و التجافی عن دار الغرور یعنی دنیا اور دنیا کی نیرنگیوں اور اس کی مکاریوں کو سمجھ کر اس سے اپنے آپ کو دور رکھنا اور مقصد تخلیق کو پیش نظر رکھنا اور تیسری علامت ہے و التأھب للموت قبل النزول موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آدمی کو عقلمند بتلایا ہے جو اپنے آپ کو پہچانے اور مابعد الموت زندگی کی تیاری کرے الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت۔

شرح صدر کے برخلاف قساوت قلبی ہے جس کو قرآن مجید میں ایک جگہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا سے اور دوسری جگہ فویل للقاسیة قلوبھم سے تعبیر کیا گیا ہے، سینے کی تنگی اور قساوت قلبی کا مطلب یہ ہے کہ کثرتِ معصیت کی وجہ سے اتنا سخت ہوجائے کہ اب گناہ کا اثر بھی محسوس نہ ہو، دستور یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ استدراج کا معاملہ فرماتے رہتے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کی بنا پر دل میں اس قدر سختی پیدا ہوجاتی ہے کہ آدمی پر نہ کسی حق بات کا اثر ہوتا ہے نہ معصیت کا بوجھ محسوس ہوتا ہے، خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قساوت قلبی سے پناہ مانگی ہے کیونکہ قساوت قلبی عذاب الٰہی سے کچھ کم نہیں ہے۔ اگر اپنی معصیت کو سوچ کر رونا نہ آتا ہو، خدا کی ناراضگی کے احساس سے دل نرم نہ پڑتا ہو، اپنی گزری ہوئی زندگانی پر ندامت نہ ہوتی ہو، اور قرآن مجید کی آیات کا اور اس کے بیان کردہ واقعات کا اثر دل پر نہ ہوتا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیان کردہ وعدے اور وعیدوں کی کوئی اہمیت دل کے اندر نہ ہو، تو یہ علامت ہے شقاوت قلبی کی اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی۔ ایک بندہ مومن کے لئے اس سے بڑا خسارہ کچھ اور نہیں کہ اس کے دل کو سنگ بنا دیا جائے اور وہ حق کو قبول کرنے اور انفعالی کیفیت سے محروم کردیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اسلام کے تعلق سے شرح صدر عطا فرمائے اور قساوت قلبی کے عذاب سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اسلام پر جمنے والوں کے لئے خوش خبری ہے

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ *

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أنه قال :بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْباً وَّ سَيَعُوْدُ غَرِيْباً كَمَا بَدَأَ فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ (صحیح مسلم)

ترجمہ:"اسلام اجنبی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب پھر اجنبی ہو جائے گا جیسے شروع میں تھا، تو ایسے وقت میں اس پر قائم رہنے والے اجنبیوں (غرباء) کے لیے خوشخبری ہے"۔

تشریح: اسلام جب ظاہر ہوا تھا تو ابتدا میں نامانوس تھا، اسلام کی آواز لوگوں کے لیے اجنبی تھی، جو بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اس کو حیرت سے سنا جاتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ یعنی اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں! تو تین سو ساٹھ بتوں کو پوجنے والی قوم کہنے لگی۔ (اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ) ارے سارے خداؤں کو ملا کر ایک خدا بنا دیا، یہ تو عجیب چیز لگ رہی ہے۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری یہ زندگی عارضی ہے ہمیں مرنا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ زندہ کریں گے تو کہنے لگے (ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ) ارے جب ہم مر جائیں گے، چورا چورا ہو جائیں گے، مٹی مٹی ہو جائیں گے، پھر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، یہ تو بہت دور کی بات ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ غرض ہر بات ان کو عجیب معلوم ہوتی تھی۔

اسی اجنبیت کا اثر تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی دعوت دی تو اس کو ان لوگوں نے قبول کیا جو بے وطن تھے جیسے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ وغیرہ اور جو لوگ اہل مکہ تھے، ان میں جس نے اسلام قبول کیا وہ اپنی قوم میں اجنبی ہوتا چلا گیا، اس پر عرصۂ حیات تنگ کیا جانے لگا، مختلف ایذائیں دی جانے لگیں

* مہتمم دار العلوم دیوبند

پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا فرمایا، اسلام کو عموم نصیب ہوا اور چہار دانگ عالم میں اسلام کا کلمہ پھیل گیا؛ لیکن لوگوں کی بدعملی اور قرنِ اول اور زمانہ نبوت سے دوری کی وجہ سے آہستہ آہستہ پھر ایسے حالات آجائیں گے کہ اسلام اجنبی بن جائے گا۔ وَسَیَعُوْدُ غَرِیْباً

ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ایک وقت ایسا آئے گا کہ دین پر قائم رہنا، مٹھی میں آگ کا انگارہ لینے کے مانند ہوجائے گا، جیسے کوئی مٹھی میں آگ کا انگارہ لے لے تو اس کو برداشت نہیں کرسکتا، دین پر عمل کرنے والے کی بھی یہ کیفیت ہوجائے گی۔

ایک اور روایت میں ہے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ دین اس حال میں شروع ہوا کہ وہ اجنبی تھا پھر اجنبی حالت پر لوٹ آئے گا، پس خوش خبری ہے اجنبیوں کے لئے جو میری سنتوں میں واقع ہونے والے اس فساد کی اصلاح کریں گے جو لوگوں نے سنتوں میں ڈال دیا ہے۔ (یعنی وہ بدعات کو مٹائیں گے اور سنتوں کو صحیح طریقہ پر پھر سے رائج کریں گے) (ترمذی)

آج دیکھا جائے تو ہم ایسے ہی تاریک ترین دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر طرف فتنوں کی یلغار ہے، اسلام پھر ایک بار اجنبی بنتا جا رہا ہے، لوگ بڑی تعداد میں مسلمان تو ہیں؛ مگر امانت و دیانت، تقویٰ وطہارت، حیا و پاکدامنی جیسی صفات عنقاء ہوتی جارہی ہیں۔ کسی کو امانت کے ساتھ معاملہ کرتا ہوا دیکھ کر شک ہونے لگتا ہے، کوئی شخص سچ بولتا ہے تو عجیب سا محسوس ہوتا ہے، کوئی نماز کی بہت پابندی کرتا ہے تو اجنبی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہے کہ اسلام رفتہ رفتہ اجنبی ہوجائے گا؛ لیکن اس کے باوجود اسلام کو مضبوطی سے تھامنے والوں کے لیے خوش خبری ہے۔ فطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہردم اسلام کی سچی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تخم ریزی

شریف اور دین دار آدمی ہیں لیکن "تخم ریزی" بہت کرتے ہیں!

کیا مطلب؟ یعنی گفت گو میں تصنع، خودنمائی اور مبالغہ بہت ہوتا ہے!

(فکریے، حصہ دوم، از: ابنِ غوری)

پیش گفتار

ہر کام کا وقت مقرر ہے

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہ نستعین

بچپن میں جب اشرف المدارس ہردوئی میں قرآن کریم حفظ کر رہا تھا تو ایک طالب علم شفیع بھٹکلی کے نام سے پڑھا کرتے تھے، ذہین وذکی تھے، قرآن کریم بھی عمدہ پڑھتے تھے، ''بھٹکل'' کا نام اُس وقت سنا تھا، اس کے کافی عرصے کے بعد ایک بزرگ حیدرآباد تشریف لائے تھے، ڈاکٹر علی ملپا کے نام اور حضرت مصلح الامتؒ کے تربیت یافتہ اور حضرت محی السنہؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے تعارف کرائے گئے تھے، اُس وقت مدرسہ فیض العلوم میں حضرت محی السنہؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، چوں کہ حضرت محی السنہؒ کی خدمتِ طعام ہمارے گھر رہا کرتی تھی، اس لئے حضرت کے خصوصی مہمانوں کی خدمت بھی نصیبے میں آجاتی تھی، ڈاکٹر صاحب کا تشرُّع وتدیُّن، تواضع وسادگی، نیز حضرت محی السنہؒ سے والہانہ عقیدت وتعلق نے پھر حضرت والا رحمہ اللہ کی جانب سے اُن کے اکرام واحترام اور لحاظ وخیال نے میرے دل میں بھی ان کی محبت وعقیدت پیدا کردی تھی، ہمارا پورا گھرانہ چوں کہ حضرت محی السنہؒ کا دِل دادہ تھا، اس لئے فطرتاً ان سے محبت وعقیدت رکھنے والے ہر شخص سے عقیدت ومحبت میرے لئے فطری امر تھا، پھر چوں کہ ڈاکٹر صاحب بھٹکل سے تعلق رکھتے تھے تو بھٹکل سے بھی لگاؤ خلافِ فطرت نہ تھا۔

ڈاکٹر علی ملپاؒ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد خانگی وجوہات کی بناء پہلے ملازمت پھر تجارت میں مشغول ہوئے، پھر بعض بزرگوں کے مشورہ سے ہومیوپیتھی میڈیسن پڑھ کر اسے ذریعہ معاش بنا کر اپنے وطن عزیز میں مختلف دینی خدمات کا آغاز فرمایا، بھٹکل کا ''جامعہ اسلامیہ''___ جو پورے علاقے میں تعلیمی انقلاب اور حق کے شعور کا سرچشمہ ہے___ ڈاکٹر صاحب ہی کا قائم فرمایا ہوا ہے، کوئی پچاس برس تک

اس جامعہ کے سربراہ رہے اور ہزاروں طلبہ کی تعلیم وتربیت کا وسیلہ بنے؛ ڈاکٹر صاحب کو شروع ہی سے سلامتیٔ طبع اور اہل اللہ و بزرگانِ دین سے عقیدت ومحبت کی دولت حاصل تھی، انہوں نے مولانا محمد شفیع بجنوریؒ، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، حاجی حق داد صاحب لکھنوی، علامہ سید سلیمان ندوی، شاہ وصی اللہ فتح پوری اور اخیر میں محی السنہ حضرت ہردوئی رحمہم اللہ جیسے علم ومعرفت کے بحارِ ذخار سے کسبِ فیض کیا تھا، اور حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کے تو خلیفۂ مُجاز بھی تھے۔ چوں کہ یہ سب اکابر چمنستانِ اشرف ہی کے گلہائے سدا بہار ہیں اس لئے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کا خاص رنگ ومزاج اُن پر بھی اثر انداز تھا، ڈاکٹر صاحب نہایت متقی وپرہیز گار، اعلیٰ درجے کے دیانت دار، اور صالح وعبادت گذار انسان تھے، فکر میں کشائش اور وسعت کے ساتھ ساتھ مسلک ومزاج میں تصلُّب وپختگی بھی خوب رکھتے تھے، انہوں نے اپنے قائم کردہ جامعہ کو شبلی مکتبِ فکر اور تھانوی مسلک ومشرب کا سنگم بنادیا تھا، جامعہ اسلامیہ کا تعلیمی نظام مکمل طور پر ندوۃ العلماء کا ہے تو تربیتی نظام خانقاہِ امدادیہ کا، شعبۂ حفظ کو ہردوئی کے طریقِ تدریس کا پابند رکھا ہے تو شعبۂ عالمیت کو نصابِ ندوہ کے ماتحت چلایا ہے، یہی وجہ ہے کہ علاقے کے اکثر عُلماء جو اسی جامعہ کے فیض یافتہ ہیں ان کے ہاں جو مقام اکابرِ ندوہ کا ہے وہی علماءِ دیوبند کا بھی ہے، مشائخ سلاسل کا بھی ہے، اکابرِ تبلیغ کا بھی ہے، اس صورتِ حال کی ایک وجہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سلامت طبع وسداد فکر ہی معلوم ہوتی ہے۔

خیر! یہ سب باتیں تو مجھے بعد میں معلوم ہوئیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی زیارت وملاقات کا شرف بہت پہلے حاصل ہو چکا تھا، میں نے انہیں اپنے مرشد ومُحسن حضرت محی السنہؒ کی مجالس میں محلِّ تخصص وتقرُّب میں دیکھا تھا، اپنے والد ماجد کو ان سے عقیدت ومحبت رکھتے اور ادب واحترام کرتے دیکھا تھا، اور خود اُن کا حضرت محی السنہؒ سے والہانہ تعلُّق اور عاشقانہ لگاؤ دیکھا تھا، ایک مرتبہ حیدر آباد حضرت والاؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے، بہت خوش اور مگن تھے، واپسی کا دن تھا، حضرتؒ کے کمرے میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ٹکٹ کنفرم نہیں ہوا ہے، اور شام کی واپسی ہے، دعا فرمادیں، حضرت والاؒ نے مُسکراتے ہوئے فرمایا ''انشاء اللہ شام تک ہو جائے گا'' تو باہر نکل کر اپنے رفقاء کے سامنے بڑی بے تکلفی اور خوش اعتمادی کے جذبات کے ساتھ کہنے لگے ''بابا نے فرمایا ہے کہ شام تک کنفرم ہو جائے گا انشاء اللہ ضرور ہو جائے گا، دیکھنا مجھے تو یقین ہے کہ اللہ پاک ضرور ان کی لاج رکھے گا''۔

پھر ایک مرتبہ ہردوئی سے لوٹتے ہوئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حاضری کا موقعہ ملا تو ندوہ کے کتب خانے میں ایک کتاب ''ٹیپو سلطان'' کی تاریخ پر مشتمل نظر آئی جس پر ''الیاس ندوی بھٹکلی'' کا نام مصنف کی حیثیت سے مرقوم تھا، ٹیپو سلطان رحمہ اللہ کی عظمت اور تاریخِ ہند میں اُن کی جفاکشی، بہادری، قوم پروری،

وطن پسندی کے ساتھ دین داری ومحبتِ اسلامی کی خصوصیات سے تاریخ کا کون طالب علم ناواقف ہوگا، اس عاجز نے سلطان کی اس عظمت ومحبت کی وجہ سے فوری طور پر یہ کتاب خریدی اور کچھ دورانِ سفر کچھ گھر لوٹ کر مکمل دیکھ لی، اس کتاب کے مطالعے کے دوران مُصنفِ کتاب سے بھی اُلفت ومحبت پیدا ہوئی۔

مختصر یہ کہ و من عادتی حب الدیار لا ھلھا کے مصداق ''بھٹکل'' کا نام جب بچپن میں ایک ساتھی طالب علم کے وطن کی حیثیت سے سنا تھا اس کے بعد سے اس عمر تک کسی نہ کسی بہانے اور حوالے سے سنا جاتا رہا اور اُن میں سے کئی ایک حوالے اس بات کے متقاضی تھے کہ راقمِ سطور اب سے بہت پہلے وہاں جاتا اور وہاں کی مختلف علمی ودینی خصوصیتوں کا علم حاصل کرتا اور بہ چشمِ خود مشاہدہ کرتا؛ داعیہ ہمیشہ رہا مگر اپنی علاقائی مشغولیات، مصروفیات دور دراز کے سفروں سے طبیعت میں گھبراہٹ پیدا کرتی ہیں، اس لئے بار بار کے ارادے کے باوجود اب تک وہاں جانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

اِدھر کچھ عرصے میں مولانا الیاس ندوی زید مجدہٗ سے مختلف تقریبات میں متعدد ملاقاتیں رہیں، انہوں نے ہر مرتبہ مجھے ''بھٹکل'' آنے کی دعوت دی اور شکوہ کیا کہ ہر جگہ جاتے ہیں ہمارے ہاں کیوں نہیں آتے؟ مولانا کا یہ اصرار اور شکوہ ہی سبب بنا کہ میں ۲۵/۲۶/مارچ کا وقت فارغ کر کے بھٹکل کے لئے روانہ ہوگیا۔

۲۵/تاریخ کو صبح ۷/بجے کی فلائٹ سے سفر شروع کرنا تھا، اس لئے صبح ۴/بجے اُٹھ کر تیاری کرنی پڑی تا کہ بروقت ایر پورٹ پہونچ سکوں (تھوڑی سی کوتاہی کی بناء چند دن قبل ہی ناگ پور کی فلائیٹ مِس ہو چکی تھی) الحمد للہ تعالیٰ آج وقت پر ایر پورٹ پہونچ گیا، بورڈ نگ بھی وقت پر ہوگئی، ٹھیک ۷/بجے پائلٹ نے اپنا پیغام نشر کیا کہ ''اب ہم منگلور کی جانب پرواز کرنے کے لئے تیار ہیں، ہمارا یہ سفر ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ میں پورا ہوگا'' پھر اس کے چند منٹ بعد ہی اس نے معذرت کے ساتھ اطلاع دی کہ کسی ٹکنیکل اِشو کی وجہ سے ہم اس طیارے سے سفر نہ کرسکیں گے، دوسرے انتظام کا انتظار کیجئے، پھر ہمیں واپس ایر پورٹ کی عمارت میں لایا گیا، ٹرانسفر کاؤنٹر پر ہمارے سابقہ بورڈنگ پاس لے کر نئے پاس جاری کئے گئے اور پھر اسی گیٹ نمبر ۱۱۲ پر پہونچنے کے لئے کہا گیا جس سے ہماری بورڈنگ ہوئی تھی۔

بورڈنگ پاس پر اگلا وقت ۹ بجے لکھا ہوا تھا، میں نے گیٹ کے قریب ہوٹل پر ناشتہ کرلیا، اس لئے کہ بظاہر کوئی ہمارا پُرسانِ حال نہ تھا، ۹ بجے کے قریب ایک کارندے نے آکر اعلان کیا کہ گیٹ نمبر ۲۲ کے قریبی ہوٹل میں بورڈنگ پاس دکھلا کر آپ لوگ ناشتہ کرلیں، لوگ اس کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ دوسرے کارندے نے بورڈنگ اُوپن ہوجانے کی اطلاع دی، اب بعض مسافر اُدھر گئے بعض اِدھر لائن میں لگ گئے، خیر! ۱۰ بجے

اسی فلائیٹ میں اسی جگہ سے سفر شروع ہوا، یہ سب میں نے اس لئے لکھا کہ حکومتیں ایک ایک محکمے کو پرائیوٹ ہاتھوں میں دے کر رعایا کے مسائل سے دست بردار ہوگئی ہیں، مسافر سے کوئی خطا ہوجائے تو وہ خود ہی ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کی تقریباً ساری ہی رقم سوخت ہوجاتی ہے، ایرلائن سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو مُسافر کے ساتھ کوئی خیر خواہی نہیں کی جاتی، ایسے معاملات میں مغربی ممالک کے ضابطۂ اخلاق یقیناً قابلِ تحسین وتقلید ہیں۔

ٹھیک پونے بارہ بجے منگلور ایرپورٹ پہونچے، راستے تمام رہ رہ کے خیال آتا رہا کہ یہ وہی بگڑا ہوا طیارہ ہے جسے رِی پیر کرکے دوبارہ چلایا گیا ہے، پتہ نہیں کب کیا ہوجائے، جب طیارہ رَن وے پر اُتر کر آہستہ آہستہ پارکنگ کی طرف جانے لگا تب اطمینان ہوا، فالحمد للّٰہ علی ذالک۔ منگلور ایرپورٹ پر حسبِ نظام مفتی امتیاز وحافظ حیات وغیرہ صبح ہی پہونچ چکے تھے، ایک جگہ ناشتے کا نظام طے تھا مگر تاخیر ہوجانے کی وجہ سے سیدھے بھٹکل کے لئے روانہ ہوگئے، چاء فلائٹ میں نہ مل سکی تھی راستے میں پی لی گئی، راستے میں ہر آدھے گھنٹے پر مولانا الیاس ندوی کا فون ـــــ مسافت دریافت کرنے اور جلد پہونچ جانے کی یاد دہانی کے لئے ـــــ آتا رہا، دورانِ سفر سرِ راہ موجود ایک مسجد میں ضروریات سے فارغ ہوکر نمازِ ظہر ادا کرلی، پھر اطمینان سے چلتے رہے، ۳؍بجے علی کالونی میں واقع مولانا الیاس کے اپنے مکان پہونچے، جہاں وہ بہت دیر سے ظہرانے کے لئے منتظر تھے، فوری دستر خوان لگایا گیا اور ہم اُن کے روایتی پُر تکلف دستر خوان سے محظوظ ہوئے، ظہرانے سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ کے مہمان خانے پہونچ کر عصر تک آرام کیا۔

بھٹکل کہا جاتا ہے کہ قدیم ترین شہر ہے، حتیٰ کہ اس کی تاریخ ماقبلِ مسیح ادوار سے تک جڑی بتلائی جاتی ہے، یہ شہر کیالی کٹ سے گُوا اور وہاں سے کوکن ہوتے ہوئے بمبئی پہونچنے والی طویل شاہ راہ ـــــ جو مسلسل بیلٹ کی طرح بحیرۂ عرب کے کنارے کنارے گذرتی ہے ـــــ پر واقع مسلم اکثریتی شہر ہے، بھٹکل میں قدیم زمانے سے مسلمانوں کی اکثریت ہے جو اصلاً تجارت کی غرض سے آئے ہوئے یمنی عربوں کی اولاد ہیں اور نوائط کہلاتے ہیں، آپس میں مخصوص زبان استعمال کرتے ہیں جس کا رسم الخط اردو ہے اور تلفظ اردو سے بالکل مختلف! معاشی اعتبار سے اکثر لوگ متوسط ہیں، بہت سے مرفّہُ الحال ہیں بعض غربت زدہ بھی ہیں، شہر کے باشندگان تقریباً ایک ہی برادری ہیں اور مستحکم ومربوط بھی، مجھے لگا کہ ذریعہ معیشت کا زیادہ تر انحصار خلیجی ممالک کی ملازمتوں پر ہے اور اسی وجہ سے عرب ممالک میں معاشی انحطاط کے بعد صورتِ حال اس وقت قابلِ فکر بھی ہے، تجارت میں غالباً غیر مسلم ہی غالب ہیں، سیاسی بصیرت کا فقدان ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ہے، ایم پی اور ایم ایل اے بھی بے جے پی کے ہی ہیں، لباس قمیص لنگی اور ٹوپی ہے جو اَب تہذیبِ فرنگ کی نذر ہوتا جارہا ہے، مسلکاً شافعی ہیں؛ عوام علماء

کے قدرداں، بزرگوں کے عقیدت مند، معتدل الفکر اور خوش عقیدہ وعمل ہیں، علماء وحفاظ کی بڑی تعداد ہے جو تقریباً سب ہی یہاں کی قدیم درسگاہ ''جامعہ اسلامیہ'' سے فارغ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فاضل ہیں، ائمہ خوش الحان اور مجوِّد ہیں، سو کے قریب خوب صورت اور صاف ستھری مساجد ہیں، مجھے لگا کہ بہت سے نوجوان خلیج بالخصوص سعودی عرب کے ماحول سے متاثر ہیں جو اگرچہ ظاہری علامات کے اعتبار سے شافعیت کے پردے میں مستور ہیں مگر لباس بالخصوص جینز پینٹ، برہنہ سری اور مصافحے کے مخصوص انداز سے میری سمجھ میں آئے، تحقیق پر معلوم ہوا کہ واقعی یہ طبقہ بستی میں موجود ہے مگر ان کی بڑی تعداد علماء اور اُن کی خدمات سے وابستہ اور معتدل وخوش تعلقات ہیں، البتہ کچھ کو اپنی ہی حقانیت پر فخر ہے اور وہ تشدُّد وتعصُّب پر مُصر اور تیڑھی کھیر بنے ہوئے ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد ہم ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی پہونچے، مولانا الیاس صاحب پہلے ہی پہونچ چکے تھے، شمالی افریقہ سے بھی چند علماء کا وفد آیا ہوا تھا، جو پانچ متصل ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک اپنے علاقے کا ذمہ دار تھا، آندھرا اور کرناٹک کا بھی ایک وفد موجود تھا، اگلے روز گجرات کے علماء وصلحاء کا بھی ایک وفد آگیا تھا، یہ وفود مولانا کے زیر انتظام اے، پی، ایس (علی پبلک اسکول) کا نظام دیکھنے سمجھنے کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے، مولانا نے تفصیل سے اکیڈمی کے کارکنان اور کام کا تعارُف کرایا، پوری عمارت دکھائی، لٹریچر دکھائے اور اُن کی خصوصیات سمجھائیں؛ یہ اکیڈمی کافی بڑی عمارت میں متعدد علماء وفضلاء کی خدمات اور کافی بڑے بجٹ کے ساتھ کارکردہے، اس اکیڈمی کے تحت عصری مدارس کے لئے اسلامی نصاب کی اور دینی مدارس کے لئے عصری نصاب کی تیاری، عوامی اور عصری تعلیم یافتہ طبقے کی ایمانی تازگی اور دینی رجحان میں بالیدگی پیدا کرنے والے لٹریچر کی تیاری، عصری مدارس میں اسلامیات کے مسابقوں کا انعقاد اور ترغیبی انعامات کی تقسیم، اے پی ایس کے نام سے اسلامک مشنری اسکولوں کا شیوع اور ایک جامع اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا کام پوری کامیابی کے ساتھ جاری اور رُو بہ ترقی ہے۔

بعدازاں اسی عمارت کے عقب میں واقع اے پی ایس (علی پبلک اسکول) کے کیمپس دیکھنے کے لئے پہونچے، چھٹی تو ہوچکی تھی، صرف عمارات دیکھیں، مولانا نے نظام ونصاب سے متعارف کرایا، نمازِ مغرب یہیں ادا کر کے اسکول کے دفتر میں تھوڑی دیر بیٹھے اور تبادلۂ خیال کیا، عشاء کے بعد جامع مسجد میں راقم سطور کی بات طئے تھی، اس لئے وہاں کے لئے روانہ ہوگئے، نمازِ عشاء باجماعت ادا کرنے کے بعد کافی بڑی تعداد میں موجود مصلیانِ کرام کے سامنے اس عاجز نے مختصر بات کرتے ہوئے جو باتیں عرض کیں ان کا خلاصہ یہ تھا:

اصل چیز جو بندے کا کمال بن سکتی ہے وہ ”عبدیت و نیاز مندی“ ہے، انسان کچھ بھی ہو جائے اور کیسے ہی کمالات کا حامل بن جائے اگر اس کے اندر شانِ بندگی نہیں پیدا ہوسکی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پرِ کاہ کے برابر وقعت نہیں پاتا، اور یہ عبدیت نرے علم اور محض عمل سے بھی حاصل نہیں ہوتی تاوقتیکہ آدمی اللہ کے ایسے عاجز بندوں کی صحبت و معیت نہ اختیار کرے؛ عبدیت ہی تمام کمالات کی زینت و جمال ہے، اس کے بغیر سب ہیچ ہے۔

اس مضمون کو قرآن کریم کی بعض آیات اور اکابر و اسلاف کے چند واقعات کے ذریعہ مؤکد کر کے اپنی گفتگو ختم کی، کیوں کہ ابھی مولانا ایوب ندوی دامت برکاتہم کے داماد کے ہاں عشائیہ کے لئے پہونچنا تھا، اور اے پی ایس کے وسیع میدان میں جوڑے گئے علماء، ائمہ اور خواصِ شہر کے اجلاس میں شرکت کرنی تھی۔

ساڑھے نو بجے جب ہم تینوں وفود اسکول پہونچے تو ماشاء اللہ شہر اور اطراف کے علماء اور ائمہ کی بڑی تعداد موجود تھی، مولانا مقبول صاحب ناظم جامعہ اور مولانا الیاس صاحب نے آنے والوں کا استقبال کیا، اسٹیج پر شہر قاضی اور جامعہ کے صدر حضرت مولانا اقبال صاحب مدظلہٗ نیز دیگر اکابر موجود تھے، تلاوتِ قرآن کریم سے اس اجلاس کا آغاز ہوا، اسکول کے ایک ذمہ دار نوجوان عالمِ دین نے اجلاس کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی، مولانا محمد الیاس زید مجدہٗ نے بہت تفصیل سے اُمت میں پیدا شدہ الحاد و ارتداد کی صورتِ حال اپنا لیکچر دیا، مختلف علاقوں میں مرتد ہونے والے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کے اعداد و شمار پیش کر کے اس کی وجہ تعلیم کے غیر اسلامی نظام کو قرار دیا اور حل اسلامی نظامِ تعلیم کو فروغ دینا اور موجود متأثرینِ الحاد کے لئے آسان اور قابلِ تحمل مساعی کا اختیار کرنا بتلایا۔

مولانا محمد الیاس ندوی ماشاء اللہ بھٹکل کے معزّز و مُرفّہ اور تعلیم یافتہ خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، دار العلوم ندوۃ العلماء کے فارغ اور مفکرِ اسلام حضرت علی میاںؒ پھر اُن کے بعد مولانا محمد رابع ندوی مدظلہ العالی کے منظورِ نظر ہیں، جامعہ اسلامیہ میں اعزازی مدرس ہونے کے علاوہ بیسیوں دینی و عصری سرگرمیوں میں منہمک ہیں، بھٹکل میں ان کی اپنی تجارتیں ہیں، لیکن ٹھاٹ باٹ سے عاری، حسّاس دل، اخّاذ ذہن، ضیاف مزاج اور متحرک و فعال شخصیت کے مالک ہیں، ان کا کہنا ہے کہ عصر حاضر کے چیالنجس کا مقابلہ کرنے کے لئے ندوہ کی وسعتِ فکری، دیوبند کی تصلُّبِ مسلکی، اور دعوت و تبلیغ کی جہد و قربانی بہت ضروری ہے۔ وہ ماشاء اللہ مقبول استاذ اچھے مصنف، منجھے ہوئے مقرر اور کامیاب منتظم ہیں، علاقے میں ان کی پذیرائی ہے، علماء و فضلاء کی بڑی جماعت حامی و مددگار ہے، علاقے کے دیگر میدانوں میں بھی ان کی آواز مؤثر ہے، حق تعالیٰ نظرِ بد سے محفوظ رکھے، اور قدموں کو راہِ حق پر جمائے رکھنے میں اپنی مدد شاملِ حال فرمائے۔ آمین

مولانا کے بعد آفریقی مہمانوں میں سے مولانا خلیل گجراتی،مولانا موسیٰ افریقی نے مختصر خطابات کئے، مولانا خلیل ہندوستانی ہیں، گجرات ہی میں تعلیم حاصل کی،فراغت کے بعد کسی مدرسے میں مدرس ہو گئے تھے، مسلم اقلیتی اورغریب افریقی ممالک سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات اُن کے مدرسے میں آئے اور یہ کہا کہ ہمارے بچوں کو دینی تعلیم دینے والے کسی آدمی کی ضرورت ہے،لوگ آتے ہیں مگر ایک سال سے زیادہ رہ نہیں پاتے،جس کے نتیجے میں دینی تعلیم کا ذوق ہی ختم ہوتا جا رہا ہے،مولانا نے اُن سے کہا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ لوگ رہ نہیں پاتے اگر آپ لوگ میرے سفر کا انتظام کریں تو میں پہلے حالات کا تجزیہ کروں گا، پھر شائد مشورہ دے سکوں گا، ہوسکتا ہے کوئی مستقل شکل نکل آئے؛ اُن لوگوں نے ویزے کا نظم کیا،مولانا وہاں پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر جب مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا تو ان کی دینی و معاشی زبوں حالی سے بہت متأثر ہوئے، جہالت وغربت اور اقلیت جیسی مصیبتوں کے مارے ان قابلِ رحم مسلمانوں پر بجائے رحم کرنے کے عیسائی مشنریاں اُن کے استحصال میں لگی ہوئی نظر آئیں، ارتداد و الحاد کا سیلاب انہیں جہنم کی طرف بہا لے جاتا دیکھائی دیا، حالات اس قدر متأثر کن تھے کہ سرسری نظر ڈال کر حالات کا جائزہ لینے کے لئے پہنچے مولانا خلیل کا دل اُمت کو اسی حال میں چھوڑ کے واپس ہونے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوا، بے سروسامان اس مُسافر نے اُنہی کے ساتھ مقیم ہو جانے اور انہی کے بھلے بُرے کا حصّہ بن جانے کا ارادہ کر لیا، اِن مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں مزید تاخیر یا مخصوص منصوبوں کا بالکل موقعہ نہ تھا، کام فوری شروع کرنا ضروری تھا، انہوں نے تو فوراً ہی کام شروع کر دیا، اہلیہ کو بھی ترغیب دے کر وہیں بُلا لیا تھا، بیوی اچھے گھرانے کی پروردہ اور راحت ورحمت کی عادی تھیں، جانے کے ساتھ حالات اور ماحول سے گھبرا گئیں، کسی طرح واپس چلنے پر اصرار کرتی رہیں، لیکن آخر مسلمان تھیں، مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی داستانیں سُن سُن کر اور جہل وفلاکت کے مناظر دیکھ دیکھ کر اپنے شوہر کے مشن میں شامل ہو گئیں اور مکمل ساتھ دینے لگیں، معلوم ہوا کہ دو کمروں کے اپنے مکان میں سے ایک ہال کو مدرسہ بنا کر مسلم لڑکیوں کی تعلیم شروع کی گئی، ماشاءاللہ اس خدا کی بندی نے پانچ سال تک پچاس تا ستّر لڑکیوں کو خود پکا پکا کر کھلایا اور ان کی صفائی ستھرائی اور صحت و بیماری کی مکمل نگہبان بنی رہیں، وطن کی راحتوں اور اہلِ وطن کی محبتوں سے دور اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبوں حالی سے مغموم یہ پُرعزم اور بلند حوصلہ جوڑا، اجنبی مقام، اجنبی زبان اور اپنوں پرائیوں کی مخالفتوں کا طوفان پانچ برس تک سہتا رہا، پانچ برس کے بعد پہلی مرتبہ وطن لوٹا، پھر واپس ہوا، اور اب پندرہ برس سے مسلسل پردیس میں خدمتِ دین کا فریضہ ادا کر رہا ہے، سلام ہو ان کی عزیمت و ہمت کو!

دنیا طلبی اور دولت اندوزی کے لئے وطن سے بے وطن ہونے اور مال کے نشے سے مخمور ہو کر زمانے کے

سرد وگرم چکھتے ہوئے دربہ دَر بھٹکنے والے بہت ملیں گے، دین کے لئے مؤقتی طور پر قربانیاں دینے والوں کی بھی کمی نہیں اور بلا شبہ وہ بھی قابلِ قدر ہیں لیکن جس ایثار اور حمیتِ اسلامی کا ثبوت مولانا خلیل اور اُن کی اہلیہ نے دیا ہے ان کی مثالیں عصرِ حاضر میں نایاب نہ سہی کم یاب ضرور ہیں، میں نے اُن کے ذکر میں قدرے تفصیل سے کام اس لئے لیا کہ ہمارے نو فارغ علماء کرام جو شہروں کے خوگر اور عافیت پسند ہوتے جا رہے ہیں وہ ذرا وسعتِ صحراء اور مجاہدوں کی لذتوں کا بھی اندازہ کرلیں۔

مولانا محمد موسیٰ صاحب افریقی الاصل ہیں، رائے ونڈ کے مدرسے سے باقاعدہ فارغ التحصیل ہیں، اسی وجہ سے بہ قدرِ ضرورت اردو بول لیتے ہیں، اپنے علاقے میں تعلیم کے فروغ اور ہدایت کے تحفظ کے سلسلے میں نہایت فکر مند، جفاکش، اور مولانا خلیل کے مدد و معاون ہیں، علمی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں اور علاقے میں دعوت و تبلیغ کی سرپرستی و سربراہی بھی اُن ہی کے ذمّے ہے، حق تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

محترم جبرئیل صاحب نو مسلم ہیں، عیسائیت سے تائب ہو کر دینِ اسلام کے دامن میں پناہ لئے ہوئے ہیں ماشاء اللہ متبع شریعت و سنت ہیں، وہ کچھ بولتے تو نہیں تھے مگر چہرے بُشرے سے نورِ تقویٰ اور فکر عاقبت چھلکتا تھا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی سابقہ برادری کی ہدایت کا کام خوب لے رہا ہے، دعا ہے کہ اللہ پاک مزید ترقیات سے نوازے۔ آمین

ایک دو اور ساتھی تھے جو غالباً عمان میں تجارت کرتے ہیں اور افریقی ہیں، اپنے وطن میں ان حضرات کی خدمات و قربانیوں سے متأثر ہو کر ان کی مالی سرپرستی کرتے ہیں بلکہ انہی کی وقف کردہ چھا ایکڑ زمین پر علاقے کے مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام شروع ہونے جا رہا ہے، ان لوگوں کا یہ دورۂ بھٹکل دراصل اسی سلسلے کی معلومات و تجربات حاصل کرنے اور مختلف اسلامک اسکولس کے معائنے و مشاہدے کی غرض سے ہوا تھا۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اس پروگرام میں شہر و اطراف کے علماء و ائمہ کی کافی بڑی تعداد موجود تھی، آخر میں اس عاجز کو بھی کچھ کہنے کا موقع دیا گیا، میں نے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اُمّت کی زبوں حالی اور تیزی سے بڑھتی بے دینی کے حوالوں سے پیش رَو مقررین کی گفتگو میں مختلف جدید تدابیر کی طرف بڑھنے اور مشغول ہونے کی دعوت ہی سامنے آتی رہی تھی اس پہلو کی طرف حاضرین کو توجہ دلائی کہ:

”دین کے کاموں کے مختلف شعبے ہیں، اور سب ضروری ہیں، آپ حضرات تدریس و تحقیق، تحفیظ قرآن کریم، اور امامت و خطابت کے جن اہم کاموں میں لگے ہوئے ہیں، یہ بھی بہت ضروری کام ہیں اور سرحدِ اسلام کے اہم مورچے ہیں، یہاں بُلائے جانے اور اِن کاموں کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کرانے کی غرض آپ کو

آپ کے کاموں سے علاحدہ کرنا یا ان خدمات کی اہمیت کو گھٹانا نہیں ہے بلکہ آپ کے فارغ اوقات اور آرام کے لمحات کا ایثار طلب کرنا مقصد ہے، یعنی اپنے ان کاموں کے بعد آپ کچھ وقت ایسا نکالیں اور ایسی تدبیریں بنائیں جن کے ذریعہ بے طلبوں میں دینی شعور پیدا کرنے اور دین بے زاری کے ماحولوں میں دین پسندی اور خداطلبی کا شوق برپا کرنے کا کام ہوسکے، طالب بن کر قرآن کریم یاد کرنے اور علومِ نبویہ سے آراستہ ہونے کے لئے آپ تک پہونچنے والا مسلم طبقہ اگر پانچ فی صد ہے تو دین سے گھبرانے اور دور بھاگنے والا طبقہ پچانوے فی صد ہے، ہم صرف اس پانچ فی صد شوق مند وطلب گار طبقے کے لئے عالم اور مولانا نہیں بنائے گئے ہیں بقیہ اُمت کے دین وایمان کے بھی ہم ہی ضامن ونگہ بان ہیں، بہتر تھا کہ اُمّت کے دانش مند وذی صلاحیت لوگ ـــــ جو عوامی طبقے میں علماء دین کی فکروں کی بہت مؤثر اور کامیاب نمائندگی کرسکتے ہیں ـــــ وہ اگر علماء کی سربراہی اور رہنمائی میں یہ کام کر لیتے تو آپ اپنے میدانِ عمل میں پوری یکسوئی وتن دہی سے مشغول رہ سکتے تھے، مگر بدقسمتی سے یہ طبقہ یا تو اس عنوان سے کچھ کرنا ہی نہیں چاہتا یا پھر کرتا ہے تو اپنے انداز اور من مانی سے کرتا ہے جس کا ضرر اور زیادہ ہوسکتا ہے، اس لئے اب ایسا ہنگامی وقت علماء کرام پر آپڑا ہے کہ انہی کو حفاظتِ کتاب وسنت اور علمی وراثت کے ساتھ ساتھ حفاظتِ امّت کے میدان میں بھی قدم رکھنا ضروری ہوگیا ہے، اگر ہم عصری تعلیم کے شعبے کو اسلامیانے اور بے طلبوں تک بے غرض وہم درد بن کر پہونچنے کی اہم ترین ذمہ داری سے پہلوتہی کریں گے تو وہ وقت دور نہیں کہ اعداء اسلام کی سازشیں علماء وعوام کے درمیان سدِ سکندری کو قائم کرنے میں کامیاب ہوجائیں، اس لئے آپ کو اپنی بنیادی اور کلیدی ذمہ داریوں کو نباہتے ہوئے کچھ وقت عوامی اور ہنگامی خدمات کے لئے بھی نکالنا ہوگا، حضرت محی السنہؒ ہم اساتذۂ مدرسہ کو جمع کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو کام آپ لوگ ـــــ مدرسے ومسجد میں کر رہے ہو یہ بھی نیک کام ہے اور قابلِ اجر ہے مگر اس کے ساتھ صورتاً ہی سہی آپ کی معاش وابستہ ہے، اس لئے کوئی ایک کام کم از کم ایسا بھی اختیار کرو جس پر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق آپ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ کہہ سکو، اس لئے ہم سب ارادہ کریں کہ انشاء اللہ علومِ کتاب وسنت کے تحفظ کی خدمات کے علاوہ عامۂ مسلمین کی دینی فلاح اور اُخروی کامیابی کے سلسلے میں بھی کچھ اپنا قیمتی وقت صرف کریں گے، انشاء اللہ"

میرے اس مختصر خطاب اور حضرت مولانا اقبال صاحب مدظلہ کی دعا کے بعد رات دیر گئے یہ باوقار مجلس اپنے اختتام کو پہونچی۔

صبح سے کافی تھکا ہوا تھا، اجلاس کے اختتام پر جامعہ کے مہمان خانے میں جا کر آرام کیا، صبح کی نماز جامعہ

کی مسجد میں ادا کر کے پھر آرام کی کسر پوری کی، ناشتہ کے بعد مولانا محمد مقبول صاحب زید مجدہٗ ناظمِ جامعہ نے جامعہ کے شعبہ جات کا معائنہ کروایا، سب سے پہلے شعبۂ حفظ میں گئے جہاں تین سو طلبہ کرام زیر تعلیم ہیں، نظامِ تعلیم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی سے ہم آہنگ ہے، چند بچوں سے سُننے کا بھی موقعہ ملا، مولانا مقبول صاحب نے اساتذہ کرام کو دفتر میں جمع کرلیا تھا، سب سے ملاقات ہوئی، کچھ نصیحت کے لئے فرمایا گیا تو میں نے عرض کیا:

''۱ء صحتِ اداء یا قواعدِ تجوید ۲ء حفظ و پختگی ۳ء تحسینِ صوت ان تین اُمور کا اہتمام حفظ کی تدریس میں بہت ضروری ہے، لہجے سے عجمیت کے اثر کو ختم کرتے ہوئے عربیت کو یقینی بنانا چاہیئے، نیز آپ حضرات تدریسِ قرآن کریم کے اس منصبِ جلیل کی قدر کریں، قرآن کریم کے خدام معمولی لوگ نہیں ہوتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ خود آپ لوگ اپنے کو سیکنڈ رینک کا سمجھنے لگیں، اسی طرح طلبہ کی اخلاقی نگرانی اور تربیت کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھیں اس میں کوتاہی نہ کریں''۔

یہاں سے فارغ ہو کر شعبہ تحتانیہ میں گئے جہاں ابتدائی درجات کے طلبۂ عالمیت زیر تعلیم ہیں، درس گاہیں سلیقے وصفائی سے آراستہ تھیں، اساتذہ اپنے کاموں میں مشغول پائے گئے، اس کے بعد بڑی جماعتوں سے گذرتے ہوئے ایک ہال میں پہونچے، جہاں شعبۂ عالمیت کے تمام اساتذۂ کرام سے ملاقات ہوئی، حضرت مولانا اقبال صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف فرما تھے، مولانا محمد مقبول صاحب زید مجدہٗ کی ہدایت پر اِن اساتذہ کرام سے بھی تھوڑی دیر گفتگو کی گئی۔ میں نے عرض کیا:

''آپ حضرات علماء کرام ہیں، مدرسین ہیں، تجربہ کار ہیں، میں مزید کیا بتلا سکتا ہوں، بس ایک گذارش یہ ہے کہ بنا مطالعہ درس نہ دیا جائے، آدمی سمجھتا ہے کہ یہ کوئی خاص مضمون نہیں یا میرا بار بار کا پڑھایا ہوا ہے مگر جب پڑھانے لگتے ہیں تو ہمیں خود بھی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مقام دیکھ لینا چاہیئے تھا، اس مسئلے کی مزید وضاحت کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ یہ کام پھر ہو نہیں سکتا، اگلے دن اگلا کام رہتا ہے، اس سے طلبہ کی بڑی حق تلفی اور ان کے حقِ استفادہ میں خیانت ہوتی ہے، ہمارے اساتذہ نرے مدرس نہیں ہوتے تھے، مُربّی بھی ہوا کرتے تھے، ہمیں تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیتِ افکار و اخلاق کا بھی بہت خیال رکھنا چاہیئے'' اپنی ان دونوں باتوں کو بزرگوں کے واقعات سے مؤکد بھی کرتا رہا، اساتذہ کرام بھی بہت خندہ پیشانی اور خوشی سے سماعت فرماتے رہے؛ میں دل میں یہی سوچتا رہا کہ سوائے حضرت والاؒ کی نسبت کے میرے اندر کوئی اور بات اِن حضرات کی توجّہ کا سبب نہیں ہے، خود تو کچھ ہوں نہیں، جہاں جاتا ہوں حضرت والاؒ کی نسبت سے اپنی عزت بچا لیتا ہوں، حق تعالیٰ آخرت میں بھی لاج رکھ لے۔ آمین

اتنے میں مولانا الیاس صاحب تشریف لے آئے اور اُن کی رہبری اور مہمانانِ افریقہ کی ہمراہی میں پہلے جامعہ کی ایک شاخ کا معائنہ کیا پھر ''انجمن حامیٔ مسلمین'' کے تحت کارکرد کالجس کا معائنہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے، یہ کالجس ایک بلند پہاڑی کے اُوپر واقع ہیں جس کے نیچے قدیم شہر آباد ہے، تین کاروں کے ذریعہ ہم لوگ پہاڑ کے اوپر پہونچے، جہاں طویل وعریض علاقے میں انجمن کے کیمپس بہت خوبصورت اور وسیع عمارتوں اور کشادہ میدانوں سے آراستہ ہیں، ہاسٹل بھی ہے، عمارات پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد ایڈمنسٹریٹیو بلاک میں ذمہ دارانِ انجمن کے ساتھ تعارفی نشست میں شرکت کی، افریقی وفد نے تفصیلات حاصل کیں، الحمدللہ بہت سی اسلامی خوبیوں کے ساتھ یہ کالجس اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ وہ واحد کالج ہے جس میں اتوار کو تعلیم ہوتی ہے اور جمعہ کے روز چھٹی رہتی ہے، یہ انجمن بھٹکل کے غیور بزرگوں نے آج سے سو سال قبل قائم کی تھی، ابھی جنوری ۱۹ء میں اس انجمن کا سو سالہ جشن تزک واحتشام سے منایا گیا ہے۔

راقم سطور اپنے رفقاء کے ساتھ یہاں سے جلد ہی رخصت ہو کر جامعہ کی مسجد پہنچ گیا، کیوں کہ بعد نمازِ ظہر طلبہ کرام سے کچھ بات کرنا طئے تھا، ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد مولانا محمد مقبول صاحب ناظمِ جامعہ نے اس عاجز کا تعارف کراتے ہوئے طلبہ کرام کو توجہ سے استفادہ کرنے کی تلقین کی، خطبۂ مسنونہ کے بعد میں نے عرض کیا:

آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، چند باتوں کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم حاصل کرو، پہلی بات یہ ہے کہ بہت محنت سے پڑھو، علم جہد ومشقت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے عیش وآرام کے ذریعہ نہیں، دوسرے یہ کہ علم اور عمل کے زمانے الگ نہیں ہوتے کہ جب تک پڑھ رہے ہو وہ بس علم ہی کا زمانہ ہے اور اس کے بعد عمل کا زمانہ آئے گا، نہیں بلکہ علم وعمل ساتھ ساتھ چلتے رہنا چاہیئے، جن باتوں کا بھلا ہونا معلوم ہوتا جائے اس پر عمل شروع کردو اور جن باتوں کا بُرا ہونا معلوم ہوا نہیں ترک کرنا ابھی سے شروع کردو، پہلے زمانے میں طلبہ طالبِ علمی کے دور ہی میں ولی اللہ بن جاتے تھے، اس کی تائید میں حضرت محی السنہؒ، حضرت مسیح الامتؒ، حضرت مصلح الامتؒ وغیرہ کے چند واقعات سُنائے یہ بھی بتلایا کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اجلاسِ صد سالہ میں تقوی اللہ، تعلق مع اللہ اور نسبت الی اللہ کی کیا افادیت بتلائی تھی، تیسرے یہ کہ وضو نماز اور دیگر عبادات میں سُنن کا بہت اہتمام کرو، نماز کی جتنی سنتیں فقہ شافعی میں ثابت ہیں اُن سب پر نظر رکھو اور اپنا عمل اس کے مطابق درست ہونے کا اطمینان حاصل کرو، چوتھی بات یہ ہے کہ اپنے وجود سے اللہ کی کسی مخلوق کو تکلیف نہ پہونچنے دو، وغیرہ۔۔۔

جامعہ کی مسجد بہت وسیع وعریض اور خوب صورت ہے، مختلف شعبہ جات کی عمارات بھی شاندار ہیں، دفاتر کا بلاک علاحدہ ہے، صفائی کا خوب اہتمام ہے مگر چمن بندی کی کمی ہے، غالباً اس کا سبب موسم کا مرطوب ہونا ہے، جامعہ میں ماشاءاللہ ساڑھے آٹھ سو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور سب مقامی ہیں اس لئے عصر بعد گھر چلے جاتے ہیں، بیرونی طلبہ سو سے زیادہ نہیں ہیں، تعلیم شروع ہی سے ندوے کے نصاب کے مطابق ہوتی ہے، مکاتب کے نام سے شہر میں تین مدارس اور ہیں، جہاں کم سِن طلبہ ابتدائی عصری ودینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، حفظ کے بعد یا اسکولوں میں چلے جاتے ہیں یا پھر جامعہ کی اگلی جماعتوں میں شامل ہوجاتے ہیں، اس ترتیب کی برکت سے جامعہ کو عصری تعلیم پڑھے ہوئے طلبہ اور ہائی اسکولز کو دینی تعلیم پڑھے ہوئے طلبہ ملتے رہتے ہیں۔

ظہرانے کا انتظام بھٹکل کی قدیم آبادی میں مسجد ٹیپو سلطان کے روبرو واقع نائب قاضی شہر کے مکان مسمیٰ ''تشقّی'' پر تھا، افریقی مہمان پہونچ چکے تھے، ہمارا انتظار ہورہا تھا، ہمارے پہونچتے ہی دسترخوان لگایا گیا اور بہت ہی متنوّع ومتکلّف اطعمہ سے ضیافت کی گئی، کھانے کے بعد جامعہ پہنچ کر مختصر آرام کیا، بعد نمازِ عصر فضلاءِ جامعہ کی تنظیم ''ابناءِ جامعہ'' کے تحت آغاز کئے جانے والے ''درسِ قرآن'' برائے مستورات میں افتتاحی خطاب تجویز تھا، چناں چہ حضرت مولانا اقبال صاحب مدظلہ کے کلماتِ تبریک کے بعد اس عاجز نے

مستورات کو اس مبارک سلسلے کے آغاز اور اس سے استفادہ کی توفیق پر مبارک باد پیش کی، اس کے بعد چند منٹ میں قرآن مجید صحیح پڑھنا سیکھنے اور اسے مستند تفسیروں یا معتبر علماءِ کرام کے ذریعے سمجھنے کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی، مسلمانوں کے قرآن کریم کے ساتھ موجودہ مجرمانہ طرزِ عمل کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اِسے بدلنے اور مخلصانہ تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دی، مختصر دعا پر یہ تقریب مکمل ہوئی۔

''ابناءِ جامعہ'' کے نام سے یہ تنظیم جامعہ کے فضلاء کا وفاق ہے، یہ لوگ مختلف ملی وفلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں، مستورات کے لئے جگہ جگہ علماء کے دروسِ قرآن کا اہتمام کیا جارہا ہے، شہر میں مختلف پیشوں سے وابستہ غیر مقامی مسلمانوں میں قرآنی تعلیم اور دینی شعور کے لئے جدوجہد کررہے ہیں، کچھ رفاہی کام بھی خلیج میں مقیم فضلاءِ جامعہ کے تعاون سے انجام دے رہے ہیں، نوجوانوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں، پارکس، تفریحی مقامات اور کھیل کے مقابلوں کو منکرات سے محفوظ رکھنے کی سعی کرتے رہتے ہیں، وغیرہ۔

یہاں سے روانہ ہوکر ''فکروخبر'' کے دفتر پہونچے، جہاں مولانا عتیق الرحمٰن ندوی نے ہمارا استقبال کیا، ادارے کی کارکردگی اور اغراض ومقاصد سے متعارف کرایا اور خواہش ظاہر کی کہ میں اُن کے میڈیا سروس پر کچھ پیغام دوں، چناں چہ انہوں بازو بیٹھ کر کچھ تعارفی کلمات کہے، میں نے پیغام دیتے ہوئے کہا:

’’عالمی اور مُلکی حالات کے تناظُر میں میں ملک کے مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہ خواہش کرتا ہوں کہ وہ تمام اقوام کے ساتھ تعلقات میں انسانی حقوق کو ملحوظ رکھیں اور آپس میں اسلامی حقوق کا بہت دھیان رکھیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان دو باتوں کا اپنے طرزِ عمل میں خیال رکھ لیں تو مخالفین و معاندین کی طرف سے پھیلائی جانے والی تمام غلط فہمیوں اور الزام تراشیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔‘‘

اس کے بعد مولانا الیاس صاحب کے تجارتی کامپلکس کے اُوپر واقع ’’ادارہ ادبِ اطفال‘‘ پہونچے، جہاں سے ماہنامہ ’’پھول‘‘ نکلتا ہے اور کم سن بچوں بچیوں کے لئے بہت دلچسپ اور کامیاب سرگرمیاں جاری ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے یہاں موجود لائبریری سے استفادہ کرتے نظر آئے اور مولانا عبداللہ دامدا ابوندوی صاحب نے مختصر وقت میں کافی کاروائی سنا کر دِل خوش کیا، واقعی مسلم بچوں کے لئے یہ بہت اچھا اور قابلِ تقلید کام ہے۔

یہاں سے فارغ ہوکر ’’منکی‘‘ کے لئے روانہ ہوگئے، جہاں بعد نمازِ عشاء جامع مسجد میں دینی مذاکرہ طئے تھا، نمازِ مغرب مسجد امام ابوحنیفہؒ میں ادا کی، امام صاحب نے ’’حجازی حزین‘‘ لہجے میں قرآن کریم پڑھا تو میں بہت محظوظ ہوا کیوں کہ کافی عرصے کے بعد یہ لہجہ سُننے کو ملا تھا، منکی یہاں سے کوئی بیس بائیس کیلومیٹر کے فاصلے پر ساحلِ سمندر ایک چھوٹی سی بستی ہے، یہاں جامعہ اسلامیہ کی ایک شاخ بھی جامع مسجد سے متصل قائم ہے، ہم نماز سے قبل پہونچ چکے تھے، نماز کے بعد مولانا انصار مدنی نے کچھ تعارفی کلمات کہے، میں نے خطبۂ مسنونہ کے بعد عرض کیا:

آج کل لوگ عام طور سے تہذیب کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں مانتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب عقیدے اور عبادت کا نام ہے، حالاں کہ اسلام نے عقیدہ وعبادت کی طرح معاملات ومعاشرت کی تعلیم بھی دی ہے، دیگر ادیان واقوام کی مشابہت سے روکا ہے، اہتمام سے منع کیا ہے، (مثال کے طور پر پگڑی باندھنے میں، داڑھی رکھنے میں، محرّم کے روزے میں، اذان کے لئے پیش کئے گئے مشوروں میں دیگر بہت سے مواقع میں ان مثالوں کو ذرا تفصیل سے سمجھانے کے بعد میں نے کہا) اصل میں ایک لمبے عرصے سے دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے افکار ونظریات اور اُن کے اخلاق وعادات کو بدلنے کی کوشش کرتے آئے ہیں، آج کوئی اچانک یہ صورت حال نہیں پیش آگئی، صدیوں کی محنت نے ہم سے ہماری شناخت چھین لی اور افکار میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ آج خود مسلمان مرد وخواتین اسلام اور اسلامی تعلیمات کی مخالفت کر رہی ہیں، تعلیم یافتہ طبقے کے نوجوانوں میں جو شکوک وشبہات جنم لے رہے ہیں وہ اسی کا نتیجہ ہے، تعلیم کا نظامِ مخصوص اور مسموم مقاصد کے تحت تیار کیا گیا اور نصاب ونظام دونوں میں ان مقاصد کو مخفی رکھا گیا، پھر بہت سادگی اور آسانی سے فکر ونظر کے قبلے بدل دئے گئے،

علماء نے جن خطرات سے ڈرایا تھا آپ لوگوں کو وہ بہت بُرا لگا تھا مگر اب دیکھ لیں کہ گھر گھر کیا تبدیلیاں آگئی ہیں، بعض بعض گھرانے تو مسلمانوں کے اب ایسے ہو گئے ہیں کہ وہ بتلائیں تو ہی سمجھ میں آسکتا ہے کہ مسلمان ہیں انہوں نے کسی اسلامی شناخت کو اپنے لئے پسند نہیں کیا ہے۔

یاد رکھئے! تہذیب ہی مذہب کی محافظ ہے، یہ باڑھ ہے، باونڈری ہے، اگر یہ منہدم ہو گئی تو آگے مذہب اور عقیدے تک بات پہنچ جاتی ہے، تعجب ہے کہ لوگوں نے ہر چیز میں خول کی اہمیت مانی ہے، یہیں انکار کر بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ آج یورپ کو مسلمانوں کے عقیدہ وعبادت سے کوئی چڑھ نہیں ہے، کیوں کہ عقیدہ دل میں ہوتا ہے عبادت گھر میں یا مسجد میں کی جاتی ہے، چڑھ ہے تو سنتوں اور شعار سے ہے کیوں کہ ہر جگہ دکھائی دینے اور امتیاز پیدا کرنے والی چیز یہی ہے، تہذیب سے قومیں جانی پہچانی جاتی ہیں، ون ورلڈ آڈر، ون کرنسی، ون کلچر، ون ورلڈ بینک کی راگ الاپنے والے صرف حکومت واقتدار کے بھوکے نہیں ہیں، ہرگز نہیں ہیں، وہ تو اپنے امامِ منتظر یعنی دجّال کے لئے ساری دنیا کی زمین ہموار کرنے کی فکروں میں لگے ہوئے ہیں، اور ہر کام با مقصد کر رہے ہیں ہماری طرح ہر نئی چیز کے پیچھے دوڑنے والے نہیں ہیں۔

آپ کے شہر میں بھی میں دیکھ رہا ہوں کہ تہذیبی شناخت پُرانوں اور بوڑھوں تک محدود ہوتی جارہی ہے، نئی نسل گلوبلائزیشن کی دل دادہ اور شکست خوردہ ہو چکی ہے، اس طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے، (پھر میں نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی ایک تقریر کی طرف توجہ دلائی جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ) ملک میں ایک مخصوص طبقہ اسلام اور مسلمانوں کو دیکھنا نہیں چاہتا ہے اور اسلامی شناخت کو مٹا کر رکھ دینے کے درپئے ہیں، اس لئے ہر عالم، ہر خطیب، اور ہر شخص کو ہر جگہ اس کا صاف صاف اظہار کرتے رہنا چاہیئے کہ ہم اس ملک میں اپنے دین اور مذہب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے ساتھ زندہ رہیں گے ہم عقیدہ کی تو کیا اپنے نبی کی ایک سنت کی قربانی نہیں دے سکتے، ہم ایک مشت داڑھی اور مسواک جیسی سنت بھی چھوڑنے تیار نہیں ہیں، ہم ٹخنے سے اونچا کپڑا رکھنے کی سنت بھی ترک نہیں کر سکتے''۔

دعا کے بعد یہ مجلس ختم ہوئی، ماشاء اللہ لوگ اخیر تک بیٹھے رہے اور توجہ سے سنتے رہے، یہاں سے فارغ ہو کر ہم تھوڑے فاصلے پر واقع سمندر کے ساحل پر پہونچے، جہاں اِن حضرات کا ایک مہمان خانہ ہے، مولانا الیاس صاحب اپنے افریقی اور گجراتی مہمانوں کے ساتھ پہلے ہی پہونچ چکے تھے تاکہ مہمان ساحلِ سمندر کی فضا سے محظوظ ہوسکیں، یہیں عشائیہ کا اہتمام بھی تھا، ہمارے ہی پہونچنے کا انتظار تھا، اگرچہ کہ رات کے اندھیرے میں ہم سمندر کے مناظر تو نہیں دیکھ سکے البتہ زیرِ سماء کُھلی فضاء میں عشائیہ کا لُطف مِل گیا، نہایت پُرتکلّف

وتنوّع کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا، کھانے سے فراغت کے بعد سیدھے جامعہ اسلامیہ پہونچ کر آرام کیا۔

صبح کی نماز جامعہ کی مسجد ہی میں پڑھی گئی، بعد نماز مہمان خانے کے میرے روم میں مولانا خلیل صاحب اپنے رفقاء کو لے کر پہونچے، اور کچھ نصیحت کی خواہش ظاہر کی، نصیحت تو کیا کرتا کچھ ان کے کاموں کا اور کچھ ہمارے کاموں کا تذکرہ ہوا، باتوں باتوں میں ہمارے دیہی کاموں کا ذکر نکل آیا کہ ایک مدرسہ قائم کر کے اطراف واکناف میں دیہی مکاتب کا سلسلہ چلایا جاتا ہے، اس تجویز کو انہوں نے بہت توجّہ سے سنا پھر اپنے رفقاء سے اُن کی زبان میں اس کا ذکر کیا، ان لوگوں کو یہ تجویز اور طریقہ کار بہت بھلا اور آسان معلوم ہوا، بہت خوش ہوئے اور اپنے ہاں آغاز کا ارادہ ظاہر کیا، مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی کہ اُن علاقوں میں کی جانی والی دینی محنتوں میں اپنے مشورہ ہی کا سہی کچھ حصہ شامل ہو گیا۔

اس مجلس میں چاۓ نوشی کے بعد ہمارے شاگرد حافظ حیات خان صاحب زید رشدہٗ ــــ جو پورے سفر میں رفیق رہے ــــ کے بڑے بھائی صاحب ہاں ناشتے کے لئے گئے، ناشتے کے بعد تھوڑی دیر آرام کر کے منگلور کے لئے روانہ ہو گئے، بارہ بجے کے بعد منگلور میں داخل ہو کر سیدھے اقراء اسلامک اسکول پہونچے، مولانا سالم ندوی صاحب منتظر تھے، انہوں نے اسکول کا مکمل تعارف کرایا، یہ اسکول فی الحال بارھویں جماعت تک حفظ قرآن مجید کے ساتھ چلتا ہے، آئندہ شعبۂ عالمیت کو بھی کالج کے ساتھ شامل کرنے کا ارادہ ہے، اسکول میں سب خود مکتفی اور متمول گھرانوں کے طلبہ ہیں، نظم ونسق عمدہ ہے، نصاب اور نظام خود اپنا بنایا ہوا ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ کی بعض کتابوں کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے، نورانی قاعدہ بھی انگریزی میں طبع کرایا ہے، فی الحال مختصر عمارت میں کارکردہے وسیع اور سہولت بخش عمارت کے لئے بھی کوشش جاری ہے، کئی طلبہ حافظ ہو چکے ہیں اور مُلکی مُسابقات میں فائز ہوئے ہیں، مولانا کی خواہش پر طلبہ کا قرآن مجید سُنا، اور تھوڑی دیر نصیحت کی، یہاں سے فارغ ہو کر حافظ حیات خان صاحب کی بھتیجی کے گھر گئے، ظہر اور ظہرانے سے فارغ ہو کر آرام کیا، عصر کی نماز پڑھ کر ایر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے، منگلور ایر پورٹ آبادی سے کافی بلندی پر پہاڑی علاقے میں واقع ہے، بورڈنگ کے وقت کو پرواز کا وقت سمجھ کر جلد پہونچنے کی وجہ سے کافی وقت مل گیا، میں جب ایر پورٹ میں سیکوریٹی چیکنگ کے بعد داخل ہوا تو پورے ہال میں بس اکیلا مسافر تھا، موقع غنیمت سمجھ کر کاغذ قلم نکال لیا اور رودادِ سفر لکھنی شروع کی، کچھ حصہ ایر پورٹ پر کچھ ایر کرافٹ میں اور کچھ واپسی کے بعد جیسے تیسے تحریر کر دیا، تدریسی سال کی اختتامی مصروفیت کی وجہ سے ذہن یکسو نہیں ہے، پیش گفتار کے لئے یہی صفحات حوالے کر رہا ہوں، خدا کرے کہ اس سے قارئین کا کچھ بھلا ہو جائے۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: نام کا علم نہیں، ام ورقہ کنیت تھی اور انصار کے کسی قبیلہ سے تعلق تھا، سلسلہ نسب یہ ہے: اُم ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عمیر بن نوفل۔

اسلام: ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔

غزوات: غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید کہ رُتبۂ شہادت حاصل ہوجائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم گھر میں رہو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا''۔

شہادت: چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا، اس لئے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمایئے، چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور وہ عورتوں کی امامت فرماتیں، راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں، انہوں نے ایک باندی اور ایک غلام کو مدبّر بنایا کہ وہ ان کی وفات کے بعد آزاد ہیں، ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کردیا، یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے، صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی ہوئی ہیں، نہایت افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے ''شہیدہ کے گھر چلو'' اس کے بعد حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور باندی دونوں گرفتار کئے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہوکر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔ (اصابہ: ۲۸۹/۸)

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، حیدرآباد

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: ہند نام ہے،قبیلہ قریش سے تھیں،سلسلہ نسب یہ ہے، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ ہند کا باپ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔

نکاح: فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا؛ لیکن کسی وجہ سے جھگڑا ہوا تو ابوسفیان بن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔

عام حالات: عتبہ، ابوسفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت اور دشمنی تھی، اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو حسد بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے، ابوجہل ان سب کا سردار تھا؛ لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابوجہل عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے، اس کی جگہ لی اور ابوجہل کی طرح ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے، غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا، اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں، جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خون خواری کا ایسا خطرناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا، ہند ان کی تاک میں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ (یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ طئے ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا، ان کے ناک، کان کاٹ لئے، ہند نے ان کو پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئیں اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں؛ لیکن گلے سے نہ اتر سکا، اس لئے اگل دینا پڑا (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبینِ رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام: جب مکہ فتح ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے بیعت لینے لگے تو مستورات میں ہند بھی آئیں،

شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، ہند بھی نقاب پہن کر آئیں جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہنچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں:

ہند: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم): خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم): اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ’’ربیناھم صغارا و قتلتھم کبارا فأنت و ھم أعلم‘‘ ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا، بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

اس دلیری اور ہمت کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہند کو درگذر کر دیا (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں، انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی خیمہ مبغوض نہ تھا، لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ میرے نزدیک محبوب نہیں۔ (صحیح البخاری)

حضرت ہند رضی اللہ عنہا جب مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر کر بت توڑ ڈالا اور کہا ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔ (الاصابۃ:۸/۲۰۶)

اسد الغابۃ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ ’’اسلمت یوم الفتح و حسن إسلامھا‘‘ (اسد الغابۃ:۵/۵۶۲)

غزوات: فتح مکہ کے بعد اگر چہ اسلام کو علانیہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور اس لئے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی؛ تاہم جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں روم وفارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کا رن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا، شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات: حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال کیا، اسی دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نے بھی وفات پائی تھی، ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں؛ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی، کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ۔۔ (بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

اصلاحی مضامین

تحریر: مولانا محمد ابوبکر غازی پوریؒ

اسلام میں ہمسایہ کے حقوق

ترجمہ: مفتی عبدالعزیز لجی قاسمی*

اسلام کی جملہ تعلیمات اور تمام آداب واحکام میں اس کے امتیازات خصوصیات نمایاں نظر آتے ہیں، اس کی تمام تعلیمات فطرت سے ہم آہنگ ہیں اور یہ اس کے آسمانی مذہب اور الٰہی دین ہونے کی واضح علامت ہے، اس کی بلند تعلیمات اور اعلیٰ اخلاق وآداب، انسان اور انسانی عقل کو اس بات کے اعتراف پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہ دین اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اس میں انسانی عمل کا دخل نہیں، یہ ربانی تعلیمات اشرف الانبیاء و خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے انسانیت تک بلا کم وکاست پہنچی ہیں۔

اسلام ہمیشہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ کی تشکیل کی تلقین کرتا ہے جس معاشرہ اور سماج کی بنیاد خوفِ خداوندی، باہمی انس ومحبت، اخوت و بھائی چارگی، نصرت وتعاون، اور وفا شعاری پر ہو، جس میں تمام لوگ آپس میں ایک خاندان کی طرح رہتے بستے ہوں، اخوت ومحبت کا باہمی ربط وتعلق ہو، غم والم بانٹتے ہوں، اور خوشی و مسرت میں شریک رہتے ہوں، اور پورا سماج ایک پاکیزہ زندگی کی تصویر پیش کرتا ہو۔ اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایسے معاشرے کی ترغیب دیتا ہے جس میں باہمی انسانی حقوق کی ادائیگی کے علاوہ پڑوسیوں کے ساتھ بھی بہتر سلوک اور شریفانہ برتاؤ ہو، ایسا برتاؤ جو ایک بھائی کا بھائی کے ساتھ ہوتا ہے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس دین کی خوبیاں اثر انداز ہوں، اور یہ اخلاقی تعلیمات اسے دوسرے ادیان و مذاہب سے ممتاز کردے، اور خود ایک مسلمان اپنے اسلامی اخلاق کے زیر اثر انسانیت کے تمام طبقات میں محبوب اور ہر دلعزیز بنا رہے، قرآن وحدیث میں اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھی زندگی گزارنے کی تعلیمات بکثرت ملتی ہیں، اور حیرت ہوتی ہے کہ اسلام نے معاشرت کے اس پہلو پر کس قدر توجہ دی ہے۔

اسلام میں پڑوسی کی اہمیت کے سلسلہ میں بخاری کی اس حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام برابر مجھے پڑوسی

*استاذ شعبہ عالمیت ادارۂ ہذا

کے سلسلہ میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوگیا کہ وہ اس کو وارث بنادیں گے۔(بخاری) اور یہ بات مسلم ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی جانب سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ وہ اللہ کے قاصد ہیں، اللہ کے احکام اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کی ایک علامت یہ بتلائی کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا معاملہ کرے اور ان کے حقوق کی رعایت وحفاظت کرے اور اپنی جانب سے کوئی قولی اور فعلی تکلیف پڑوسی کو نہ پہنچائے، اور وہ شخص جو پڑوسیوں کے حق کی رعایت نہیں کرتا اس کا ایمان ناقص ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کے ساتھ حسن سلوک کریں اور جو مؤمن ہو تو اس کو چاہیئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش ہو جائے۔(بخاری ومسلم)

ان حدیثوں کا اسلوب بیان بتاتا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک میں غیر معمولی توجہ دی جائے، بلاشبہ احکام وآداب کو بیان کرنے کے لئے اس اسلوب سے بہتر کوئی اسلوب نہیں ہوسکتا، یہاں یہ بات واضح رہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن تعلق کا یہ حکم صرف مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو شامل ہے، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں مسلمان کی تخصیص نہیں فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں دونوں طرح کے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، فرمایا اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو۔(سورۃ النساء) آیت شریفہ میں "**جار ذی القربیٰ**" سے مراد وہ پڑوسی ہے جو رشتہ دار ہو یا قریبی پڑوسی ہو، اور "**جار الجنب**" سے مراد وہ پڑوسی ہے جو دور کا ہو یا ایسا پڑوسی ہو جس سے نہ قرابت ہے اور نہ وہ ہم مذہب ہے۔(تفسیر مظہری دوم:۲۹۹)

اسلام کی یہ عادلانہ تعلیم اور اس کی روادارانہ اور انسانیت نواز خصوصیات ہی کا اثر ہے کہ وہ انسانیت کے تمام طبقات کو معاشرتی زندگی میں ایک نظر سے دیکھتا ہے، اس کے یہاں من وتو کا کوئی فرق نہیں، مسلم اور غیر مسلم دوست ودشمن کے درمیان کوئی امتیاز نہیں، جو کوئی بھی پڑوسی ہو اس کے حقوق کی ادائیگی لازم اور ضروری ہے، الٰہی ودینی تعلیمات کا تقاضہ ہے کہ پڑوسی کے ہر حق کو ادا کرنے میں انسان نہایت محتاط اور مستعد رہے، ہاں ذمہ داری اس وقت بڑھ جاتی ہے جب پڑوسی میں کوئی مسلمان یا رشتہ دار ہو، اس وقت شریعت کا یہ مطالبہ ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اس کے مسلمان ہونے یا رشتہ دار ہونے کے اعتبار سے جو زائد حق ہے وہ بھی ادا کرے، اس سلسلہ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ "پڑوسی کی تین قسمیں ہیں: ایک پڑوسی وہ

ہے جس کے تین حق ہیں، ایک پڑوسی کا حق، دوسرے رشتہ داری کا حق، تیسرے اسلام کا حق، اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں، ایک پڑوسی کا حق، دوسرے رشتہ داری کا حق، اور پڑوسی کی تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک حق ہے، اور وہ اس پڑوسی کا حق ہے جو اہل کتاب میں سے ہو۔

اسلام ایک فراخ قلب اور کشادہ چشم مذہب ہے، اس کی تعلیمات پوری انسانیت کے لئے ہیں، اس کی رحمت ہر طبقۂ انسانی کے لئے عام ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسی کے حق کا احترام، اور ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جو ذمہ داری عائد کی، اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا "کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی تکالیف سے مامون نہ ہوجائے" (احیاء علوم الدین: ۲/۱۱۸) اور فرمایا کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا تعلق اور حسن سلوک کرو، تا کہ تم محفوظ ہوجاؤ۔ (ایضاً) اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بجالانے میں پیش پیش رہتے تھے، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، خواہ ان کے پڑوس میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، جیسے یہود جو سطحی اور ذلیل قوم ہے، روز اول ہی سے اسلام کی دشمن رہی ہے، جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر موجود ہے، تاہم صحابہ کرامؓ اپنے پڑوس میں رہنے والے یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے جیسے وہ ایک مسلمان کے ساتھ کرتے تھے، ان کا سلوک تمام لوگوں کے ساتھ یکساں ہوتا، دین نے جو حقوق ان پر عائد کئے ہیں کوئی خارجی اثر اور اندرونی کیفیت ان کو اس پر عمل آوری سے روکتی نہ تھی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا اور ان کا غلام بکری کی کھال کھینچ رہا تھا، فرمایا! اے غلام! جب تو کھال کھینچ لے تو اپنے یہودی پڑوسی سے شروع کر، اور یہ جملہ آپ نے بار بار کہا، میں نے کہا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر ہمیں پڑوسی کے سلسلہ میں وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوگیا کہ کہیں آپ اس کو وارث نہ بنا دیں۔ (ایضاً ۲/۱۱۹) کیا اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب ہے جو اپنے دشمنوں کے لئے بھی اس قدر وسعت قلبی اور رواداری کا ثبوت پیش کرتا ہو؟ اور حضرات صحابہ کرامؓ بھی کس طرح اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر دل و جان سے عمل کرتے تھے، نیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو خود تو آسودہ ہوجائے اور اس کے پڑوسی بھوک کی حالت میں رات گزاریں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پینے میں پڑوسیوں کا خیال کرنے کی وصیت فرمائی، اور اس بات کا حکم دیا کہ اپنے برتن میں پانی زیادہ ڈال دو تا کہ شوربہ زیادہ ہو اور اس میں سے پڑوسیوں کو کچھ دے سکو۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو، اور اپنے پڑوسیوں کے گھر میں اس کو بھجواؤ۔ (احیاء علوم الدین: ۲/۱۱۹)

اورحضرت ابوبکرؓ نے اپنے لڑکے حضرت عبدالرحمٰن کو اپنے پڑوسیوں سے لڑتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اپنے پڑوسی سے مت لڑو، اس لئے کہ لوگ تو چلے جائیں گے اور یہی رہنے والا ہے۔(ایضاً) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ بات میں کیسے جانوں کہ یہ کام میں نے اچھا کیا یا برا کیا، فرمایا: جب تم اپنے پڑوسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم نے اچھا کیا تو یہ بات سمجھ لو کہ تم نے اچھا کیا، اور اگر وہ لوگ کہیں کہ تم نے برا کیا تو واقعی تم نے وہ کام برا کیا۔(ایضاً)

ان تمام روایتوں سے حق ہمسائیگی ادا کرنے اور پڑوسیوں کے ساتھ بہتر معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اسلام کی منصفانہ اور رحم دلانہ تعلیمات کا اندازہ ہوتا ہے، یہیں سے اسلام کی خوبی، دوسرے مذاہب پر اس کا تفوق وامتیاز، اور اس کے دین الٰہی ہونے کا ثبوت ملتا ہے، آج بھی ایک مسلمان ان تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کرلے تو اس کے غیر معمولی اثرات ظاہر ہوں گے، اسلام کا پیام رحمت عام ہوگا اور اس کی دعوت اور لازوال تعلیمات انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیں گی۔

اخیر میں موضوع کی مناسبت سے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا ارشاد نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جو نہایت مؤثر بھی ہے، اور حقیقت افروز بھی، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ہمسایہ کا حق یہی نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے کیونکہ یہ بات جمادات میں بھی ہے کہ ان سے ایذا نہیں پہنچتی، بلکہ ہونا یہ چاہیئے کہ ہمسایہ اگر تکلیف دے تو برداشت کرے، اور صرف برداشت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نرمی کرے، اور احسان وسلوک کا برتاؤ کرے، سلام کرنے میں پہل کرے، اس کے ساتھ طویل گفتگو نہ کرے، تفتیشِ احوال میں مبالغہ نہ کرے، مرض میں اس کی بیمار پرسی کرے، مصیبت میں اس کو تسلی دے اس کا ساتھ نہ چھوڑے، خوشی میں مبارک باد دے، خود بھی اس کے ساتھ خوشیوں میں شریک رہے، اس کی خطاؤں کو درگزر کرے، چھت پر سے اس کے گھر میں نہ جھانکے، دیوار پر کڑیاں رکھنے، یا پرنالہ سے پانی گرنے، یا صحن میں مٹی ڈالنے میں اس کو دق نہ کرے، اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے، اور وہ جو کچھ اپنے گھر میں لے جارہا ہے اس پر تاک نہ لگائے، اگر اس کا کوئی عیب معلوم ہو تو اس کو چھپائے، اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوجائے تو جھٹ پٹ اس کی دستگیری کرے، جب وہ گھر پر نہ ہو تو اس کے مکان کے دیکھنے سے غافل نہ رہے، اور اس کی برائی نہ سنے، اور اس کے اہل خانہ سے آنکھ نیچی رکھے، اور اس کی خادمہ پر ٹک ٹکی نہ لگائے، اس کے بچوں سے گفتگو میں نرمی برتے، اور جو امر اس کو دنیا اور دین کا معلوم نہ ہو اس کو ٹھیک ٹھاک بتادے۔(احیاء علوم الدین: ۲/ ۱۱۸)

اصلاحی مضامین

ائمہ ومؤذنین کا مقام ومرتبہ اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا محمد اسرار الحق قاسمیؒ

اسلام اور مسلم معاشرے میں امامت ایک معزز منصب رہا ہے اور اس پر فائز رہنے والے لوگوں کو عام و خاص ہر طبقے میں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ جب دنیا کے بیشتر خطوں میں سیاسی وسماجی اور تہذیبی وعلمی اعتبار سے مسلمانوں کا غلبہ تھا اور مسلم تہذیب دنیا کی مقبول ترین تہذیب تھی، اس وقت امام کا مرتبہ اس اعتبار سے غیر معمولی تھا کہ وہ نہ صرف پنج وقتہ، جمعہ وعیدین اور جنازے کی نمازوں میں مسلمانوں کے پیشوا ہوتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگ اپنے روزمرہ کے مسائل ومشکلات کے حل کے لیے بھی انہی سے رجوع کیا کرتے تھے۔ ماضی میں دین ودنیا کے کئی اہم کارنامے انجام دینے والے بے شمار اشخاص مساجد کے منبروں سے ہی وابستہ تھے۔ اسلامی کتب خانے کا اچھا خاصا حصہ ائمہ کی علمی وفکری قابلیتوں کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ان کی اہمیت وبرتری اور فضیلت کو دراصل اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وعمل کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں بٹھایا تھا۔

ایک موقع پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ’’امام اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ان کی اقتدا کی جائے‘‘۔ اس کا ایک ظاہری مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران اماموں کی اقتدا کرنی چاہیے اور ان کے عمل کے مطابق عمل کیا جائے تاکہ ہماری نماز درست اور مکمل ہو سکے۔ لیکن ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ معاشرے میں امام کے منصب کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے اچھے اور اعلیٰ اخلاق وکردار کو اپنایا جائے اور اس سلسلے میں بھی انہیں اپنا راہنما بنایا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری زندگی مسجد نبوی کے امام وخطیب رہے اور مسلمانوں کو دی جانے والی تمام تر تعلیمات مسجدوں کے ذریعے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتی تھیں۔ چاہے معاشرتی مسائل ہوں یا اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلنے کی تدبیریں، چاہے تعلیم وتعلم ہو یا دیگر امور سب امام یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچتے تھے۔

اسی طرح لوگوں کو نماز کے اوقات کی خبر دینا اور انہیں دن کے پانچ وقت کامیابی اور خیر کی طرف بلانا بھی

نہایت ہی شرف اور فضیلت والا عمل ہے اور نبی پاک ﷺ نے امام کے ساتھ ساتھ مؤذنین کے لیے بھی بڑے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے کوئی کام بتائیں، تو آپؐ نے فرمایا ''اپنی قوم کے امام بن جاؤ'' تو انھوں نے کہا ''اگر یہ ممکن نہ ہو تو؟'' تو آپؐ نے فرمایا ''پھر مؤذن بن جاؤ'' (شرح العمدہ) اس حدیثِ پاک سے سیدھے طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی نگاہ میں امامت اور مؤذنی ایک اعلیٰ اور شرف والا عمل تھا اسی وجہ سے آپؐ نے ایک صحابی کو اس کی تلقین فرمائی۔ ایک دوسری حدیث جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ''تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ڈھیر پر ہوں گے: ایک وہ جس نے اللہ کے اور اپنے غلاموں کے حقوق ادا کیے ہوں گے، دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور اس کے مقتدی اس سے خوش رہے اور تیسرا وہ شخص جس نے روزانہ پانچ وقت لوگوں کو نماز کی دعوت دی''۔ یعنی جو اذان دیا کرتا تھا، اس حدیثِ پاک سے تو اور بھی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ امامت اور مؤذنی اللہ کے نزدیک موقر عمل ہے اور دونوں قسم کے لوگوں کے لیے اللہ کی خاص رحمت و مہربانی مقدر ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''محشر کے دن مؤذنین کی گردنیں سب سے لمبی ہوں گی''۔ یعنی وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں نمایاں ہوں گے اور بآسانی پہچانے جاسکیں گے۔ ایک موقع پر فرمایا گیا کہ ''اگر لوگوں کو پہلی صف میں نماز پڑھنے اور اذان دینے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو قرعہ اندازی کی نوبت آجائے گی''۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے خاص طور پر امام اور مؤذن کے لیے رشد و مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ (سنن ابوداؤد)

ایک طرف ائمہ اور مؤذنین کے بارے میں اتنی فضیلتیں وارد ہیں جنہیں جان کر ایک انسان کے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ امام یا مؤذن بن پاتا۔ لیکن دوسری جانب جب ہم موجودہ دور میں اپنے معاشرے کے ائمہ اور مؤذنین کی صورتِ حال اور ان کے ساتھ لوگوں کے رویوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو نہایت افسوس اور تکلیف ہوتی ہے اور پھر عام حالتوں میں کوئی بھی شخص امام یا مؤذن بننے کا خواب نہیں دیکھتا۔ مختلف اسباب کی بنا پر آج کل ایسا ماحول بنا دیا گیا ہے کہ دوسرے لوگوں کو تو چھوڑیں خود مسلمان اور وہ بھی باشعور سمجھے جانے والے مسلمان بھی امامت اور مؤذنی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالاں کہ دوسری جانب ایک ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ پانچ وقتوں اور عیدین کی نمازوں کے علاوہ بھی پیدائش سے لے کر موت تک ہم ایک امام اور مؤذن کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایسا باور کیا جاتا ہے کہ مساجد کے امام اور مؤذنین معاشرے پر بوجھ

ہیں اور پھر ان کے ساتھ عام طور پر اسی قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے، یقین جانئے ہمارا یہ عمل خود ہماری بدبختی اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس سے خود ہمیں ہی دنیا وآخرت میں خسارہ ہوگا۔

یہ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک جانب تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امامت اور مؤذنی کرنا معمولی کام، یہ کام کرکے انسان پرسکون طریقے سے اپنی زندگی نہیں گزار سکتا اور اس میں اپنی اولاد کو لگانا گویا ان کی زندگی کو برباد کرنا ہے، جبکہ دوسری جانب جب ہم ہی مسجد کے ٹرسٹی یا متولی بنتے ہیں تو امام یا مؤذن کی تنخواہ پانچ چھ ہزار سے زائد کرنے کے لیے کسی بھی صورت تیار نہیں ہوتے۔ معمولی سے معمولی شخص بھی جس کا معاشرے میں کوئی وزن اور اہمیت نہیں ہوتی، وہ کسی بھی وقت امام یا مؤذن پر اپنا غصہ نکال سکتا ہے، کسی بھی وقت اسے یہ کہہ کر نکال دیا جاسکتا ہے کہ آپ ہماری مسجد کے لائق نہیں۔ ہمارا تقاضا ہوتا ہے کہ امام اور مؤذن کو انسان نہیں، فرشتہ ہونا چاہیے مگر خود ہم کسی کے ساتھ انسانی اخلاق کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے۔ پس اِس وقت مسلمانوں میں بے شمار سماجی اصلاحات کے ساتھ کرنے کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ ائمہ اور مؤذنین کے تئیں لوگوں کے دلوں میں احترام اور وقار کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اسلام میں ان کا جو مقام ومرتبہ بتایا گیا ہے اس سے لوگوں کو روشناس کیا جائے اور لوگوں کو مساجد سے جوڑتے ہوئے ائمہ کی مخلصانہ اقتدا کا ماحول بنایا جائے۔ ہر دور میں عوام کا مساجد اور اماموں سے گہرا ربط رہا ہے، آج بھی عام مسلمانوں کا دن رات کا تعلق اپنے اماموں سے ہوتا ہے، اگر عوام اور ائمہ کے مابین تعلقات مضبوط ہوں گے اور دونوں طرف افادہ واستفادہ کی راہ ہموار ہوگی تو اس طرح مجموعی طور پر پورے مسلم معاشرے میں ایک خوشگوار سماجی انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں ہم مساجد کی تعمیر وتزئین میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور ہر محلے، بستی اور شہر کے مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے بقدر یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے علاقے کی مسجدوں میں نمازیوں کو ہر قسم کی سہولت دستیاب ہو، چنانچہ گرمیوں میں اے سی، پنکھوں اور کولر کا انتظام کیا جاتا ہے اور ٹھنڈیوں میں گرم پانی کا انتظام کیا جاتا ہے، بہت ساری مسجدوں میں مخملیں اور گدے والے مصلے بھی بچھا دیے جاتے ہیں، تو ان سب کے ساتھ ساتھ ہمیں اس پر بھی توجہ دینی چاہیے کہ جو شخص ہمیں پانچ وقتوں کی نماز پڑھاتا ہے اور جو ہمیں ان نمازوں کے اوقات کی خبر دیتا ہے، ہر طرح کے موسم اور حالات میں بروقت اذان دیتا ہے، ان کی تنخواہیں بھی بہتر کی جائیں، آج کا دور تو اتنا مہنگا ہوگیا ہے کہ لاکھوں کمانے والے لوگ بھی پریشان ہی رہتے ہیں، لیکن کیا مساجد کی تعمیر وتزئین میں لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے والے ہم مسلمان اپنے ائمہ اور مؤذنین کو اتنی تنخواہیں نہیں دے سکتے کہ وہ ایک بہتر اور اطمینان بخش زندگی گزار سکیں؟ اس

سلسلے میں مساجد کے متولیان اور ٹرسٹیان کو خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ایک گزارش ائمۂ کرام سے بھی ہے کہ وہ معاشرے میں اپنے مقام و مرتبے سے باخبر رہیں، وہ صرف نمازوں کے امام نہیں ہیں بلکہ ان کے اعمال و اخلاق اور کردار کا اثر دوسرے لوگوں پر بھی پڑتا ہے۔آپ کوئی ایسا عمل نہ کریں جو آپ کی شان اور مرتبے کے خلاف ہو،صرف نماز پڑھا دینا ہی آپ کی ذمے داری نہیں ہے بلکہ لوگوں کے اعمال وعقائد کی اصلاح کا ذمہ بھی شریعت نے آپ کے اوپر رکھا ہے۔مسلمانوں کی اخلاقی و عملی بے کرداری کے خاتمے میں ائمۂ کرام اہم کردار ادا کرسکتے ہیں اور ان سے یہ مطلوب بھی ہے۔ یہ حقیقت ہر وقت ذہن میں رہنا چاہیے کہ جو منصب یا مقام جتنا اہم اور عظیم ہوتا ہے، اس کی ذمے داریاں بھی اسی قدر اہم ہوتی ہیں۔ جہاں آپ کے اچھے اور عمدہ اخلاق و اعمال معاشرے پر اچھے اثرات مرتب کرتے ہیں، وہیں آپ کی معمولی لغزش بھی بے شمار لوگوں کے لیے فساد اور برائی کا سبب بن جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''امام ضامن ہوتا ہے''۔

مطلب یہ کہ امام نہ صرف اپنے مقتدیوں کی نمازوں کا ضامن ہے اور اس کی نماز کی صحت پر مقتدیوں کی نمازوں کی درستگی موقوف ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنی عملی زندگی میں بھی امام اپنے مقتدیوں کا ضامن ہے، اگر کوئی اس کے اچھے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر اچھے راستے کو اپناتا ہے تو اس بندے کے ساتھ امام بھی ماجور ہوگا، جبکہ اگر کوئی شخص اس کی غلط نقل وحرکت کی وجہ سے دین اور مسجد سے متنفر ہو جاتا ہے تو اس کا بھی ذمے دار وہی ہوگا۔ بہرکیف یہ بے حد ضروری ہے کہ ائمہ اور مقتدی دونوں اپنے اپنے مطلوبہ کرداروں کو ادا کریں، یہ عمل ہمارے معاشرتی نظام کو بہتری کی طرف لے جانے میں کلیدی رول ادا کرسکتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶ سے)۔۔۔ نے (حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں) وفات پائی تو کسی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھ سے ہند رضی اللہ عنہا کا نکاح کردو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کی ضرورت نہیں۔(اصابہ:۸/۲۰۶)

اولاد: اولاد میں حضرت امیر معاویہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق: حضرت ہند رضی اللہ عنہا میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے مابہ الامتیاز ہوسکتے ہیں، صاحب اسد الغابۃ لکھتے ہیں: ''کانت امرأۃ لھا نفس و أنفۃ و رأی و عقل'' (اسد الغابۃ:۵/۶۲) ''ان میں عزت نفس، غیرت، رائے تدبیر، اور دانش مندی پائی جاتی تھی'' فیاض تھی۔

اصلاحی مضامین

شبِ برأت کی حقیقت اور فضیلت

مفتی صادق حسین قاسمی کریم نگری*

انسانوں کو بخشنے اور عطا کرنے کے لئے اللہ تعالی کے مختلف انداز ہیں، اللہ تعالی نے نوازنے کے لئے بعض اوقات کو بابرکت بنایا، اسی طرح بعض دنوں اور راتوں کو فضیلت بخشی، دن ورات کے خالق اللہ ہے، اور دنیا میں ہر فیصلہ اسی کی قدرت اور حکمت سے وجود میں آتا ہے، یہ اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ بہانے بنا کر انسانوں کو نجات کے راستے پر لے آئے، اور معمولی کام کو ذریعہ بنا کر ابدی کامیابی سے ہمکنار کرے۔ چناں چہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ اس میں بھی بندوں کو معاف کیا جاتا ہے اور ان کو خیر و برکات سے مالا مال کیا جاتا ہے۔شعبان کی پندرہویں رات کو شبِ برأت کہا جاتا ہے، اس رات کے بارے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، کچھ لوگ سرے سے اس کی فضیلت وعظمت کا انکار ہی کر دیتے ہیں اور کچھ بڑھا چڑھا کر بہت سی باتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ذیل میں اس رات کی حقیقی عظمت اور فضلیت پیش کی جائے گی، نیز اس رات میں رحمتِ الٰہی سے کون فیض یاب ہونے والے اور کون مردود ومحروم رہنے والے ہیں اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

شبِ برأت کی فضیلت:

شبِ برأت کے مختلف نام ہیں، اس کو لیلۃ المبارکۃ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ برکت والی رات ہے، اس کو لیلۃ الرحمۃ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ رحمتِ خداوندی کے نزول کی رات ہے، اس کو لیلۃ الصک بھی کہا جاتا ہے کہ اس رات کی حیثیت دستاویزی رات کی ہے،، اور اس رات کو لیلۃ البرأۃ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ جہنم سے چھٹکارے کی رات ہے۔شبِ برأت کی فضیلت میں مختلف حدیثیں آئی ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں اپنی تمام مخلوقات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، مشرک اور کینہ رکھنے والے کے سوا مخلوق کی مغفرت فرماتے ہیں۔(صحیح ابن حبان: ۵۷۸۲) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو پریشان ہوئیں اور تلاش کرتے

*مدیر ماہنامہ الاصلاح، کریم نگر

ہوئے مدینہ کے قبرستان جنت البقیع کی طرف نکل گئیں، وہاں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شعبان کی درمیانی شب میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بنو کلب (ایک قبیلہ جو عرب کے تمام قبائل میں سب سے زیادہ بکریاں پالتا تھا) کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔(ترمذی:۶۶۹) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شعبان کی درمیانی شب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوائے کینہ پرور اور خودکشی کرنے والے کے تمام بندوں کو معاف کردیتے ہیں۔(مسند احمد: ۶۶۴۲) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں، کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو عطا کردوں، اس وقت خدا سے جو مانگتا ہے اس کو ملتا ہے سوائے بدکار عورت اور مشرک کے۔(فضائل الأوقات للبیہقی: ۳۱ بیروت) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں شب آئے تو رات کو نماز پڑھو اور اگلے دن روزہ رکھو، کیوں کہ غروب شمس سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر رہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دے دوں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات دوں؟ ہے کوئی ایسا ہے کوئی ویسا؟؟۔(فضائل الأوقات للبیہقی: ۳۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ اس رات یعنی شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شب میں اس سال میں جتنے پیدا ہونے والے ہیں وہ سب لکھ دیئے جاتے ہیں اور جتنے مرنے والے ہیں وہ سب بھی اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات سب بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی مقررہ روزی اترتی ہے۔(مشکوٰۃ: ص:۱۱۵) اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات اس کی فضیلت میں مختلف ائمہ سے مروی ہیں، حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں شب برأت کی فضیلت والی احادیث بیان کی گئی ہیں۔

احادیث کی تحقیق:

شبِ برأت کی فضیلت میں جتنی حدیثیں وارد ہوئیں ہیں ان میں اکثر سند کے اعتبار سے کمزور ہیں؛ لیکن چوں کہ متعدد طرق سے یہ روایات مروی ہیں اس لئے اس میں مضبوطی آجاتی ہے، چناں چہ شبِ برأت کی مختلف روایتوں کو پیشِ نظر رکھ کر ائمہ ومحدثین نے اس رات کی فضیلت کو تسلیم کیا، اور اس کی عظمت واہمیت کا اعتراف کیا،

علامہ مناویؒ نے حضرت ابن تیمیہؒ کا قول نقل فرمایا کہ: قال المجد ابن تیمیة لیلة نصف شعبان روی فی فضلها من الاخبار و الاثار مایقتضی لها مفضلة ومن السلف من خصها بالصلاۃ ۔(فتح القدیر:۲/۷۱۳ بیروت) یعنی نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں اتنی احادیث اور آثار مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا کہ اس کو فضیلت حاصل ہے اور بعض سلف نے اس رات کو نماز کے لئے خاص کیا ہے۔ عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے لکھا ہے کہ: اعلم أنه قد ورد فی فضیلة لیلة النصف شعبان عدة أحادیث مجموعها یدل علی أن لها أصلا۔(تحفۃ الاحوذی:۳/۴۴۱ دارالفکر) یعنی نصف شعبان کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئیں ان احادیث کا مجموعہ اس کی اصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح ابن حبان کی روایت ان تمام احادیث میں زیادہ قابل اعتبار اور مستند ہے اس کی صحت کا اقرار معروف محدث شیخ ناصرالدین البانیؒ نے بھی کیا، چناں چہ وہ شیخ جمال الدین قاسمیؒ کی کتاب "اصلاح المساجد" کے حاشیہ میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یعنی حدیثه عن مالک بن یخامر عن معاذبن جبل عن النبی ﷺ قال: یطلع الله الی خلقه۔۔۔اخرجه ابن عاصم فی السنة، وابن حبان، فی صحیحه، ورجاله ثقات، والحدیث صحیح، وله طرق و شواهد خرجتها فی الصحیحة (۲۱۴۳)۔۔۔۔(اصلاح المساجد:۹۹ المکتب الاسلامی بیروت) علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے ردِ بدعات میں لکھی جانے والی اپنی معرکۃ الآراء کتاب "المدخل" میں اس رات کی عظمت کو بیان کیا اور لکھا کہ اسلاف میں اس کی قدرومنزلت بہت زیادہ تھی اور وہ باضابطہ اس میں عبادتوں کا اہتمام فرماتے چناں چہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ولا شک انها لیلة مبارکة عظیمة القدر عند الله تعالی ۔۔۔وکان السلف یعظمونها ویشمرون لها قبل اتیانها فما تاتیهم الا وهم متاهبون للقائها والقیام بحرمتها علی ماقد علم احترامهم للشعائر علی ما تقدم ۔(المدخل:۲۴۸) مشکوٰۃ کے شارح علامہ عبیداللہ مبارک پوریؒ نے نصف شعبان سے متعلق مختلف احادیث کو نقل کرنے اور ان کی تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: وهذه الأحادیث کلها تدل علی عظیم خطر لیلة نصف شعبان وجلالة شأنها، وقدرها، وأنها لیست کاللیالی الأخر، فلاینبغی أن یغفل عنها، بل یستحب احیاءها بالعبادة والدعاء والذکر والفکر۔(مرعاۃ شرح مشکوۃ:۴/۳۴۲ جامعہ سلفیہ بنارس) یعنی یہ تمام احادیث نصف شعبان کی عظمت اور اس کی جلالت شان پر دلالت کرتی ہیں اور اس پر بھی کہ یہ رات دیگر راتوں کی طرح نہیں ہے، لہذا اس سے غفلت برتنا مناسب نہیں، بلکہ عبادت اور دعا، ذکر اور فکر کے ذریعہ اس میں جاگنا مستحب ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثانی مدظلہ رقم طراز ہیں کہ: ان روایات کے ضعف کے باوجود شبِ برأت

میں اہتمام عبادت بدعت نہیں، اول تو اس لئے کہ روایات کا تعداد اوران کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ لیلۃ البراءت کی فضلیت بے اصل نہیں۔دوسرے امت کا تعامل لیلۃ البرأت میں بیداری اور عبادت کا رہاہے اور جو روایت مؤید باالتعامل ہو وہ مقبول ہوتی ہے لہذ الیلۃ البرات کی فضلیت ثابت ہے اور ہمارے زمانے بعض ظاہر پرست لوگوں نے احادیث کے محض اسنادی ضعف کو دیکھ کر لیلۃ البراءت کی فضلیت کو بے اثر قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ درست نہیں۔البتہ اس رات میں سو رکعات نماز والی روایت موضوع ہے۔(درس ترمذی:۲/۵۸۱)

بہرحال! ان تمام دلائل اور اقوال سے یہ بات محقق ہوچکی ہے شب ِبرأت کی عظمت اور فضلیت ثابت ہے اور علمائے امت اور محدثین نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔

رحمت ِالٰہی سے محروم:

رحمت ِالٰہی اور مغفرتِ خداوندی کی اس رات میں کچھ نافرمان لوگ ایسے ہیں جو محروم ہوجاتے ہیں سرکشی اور بغاوت اور خدا فراموشی کی زندگی گذارتے ہوئے احکاماتِ الٰہی سے انحراف اور تعلیماتِ نبوی سے دوری کے نتیجہ میں اس عظیم الشان رات اور اس کی بخشش وعطا سے محروم کے محروم رہ جاتے ہیں، مختلف احادیث میں مختلف قسم کے گناہوں میں مبتلاءلوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس رات میں محروم رہنے والے ہیں: (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا (۲) کینہ رکھنے والا (۳) کسی انسان کا ناحق قتل کرنے والا (۴) بدکار عورت (۵) قطع رحمی کرنے والا (۶) تہبند، یا پاجامہ، ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا (۷) والدین کا نافرمان (۸) شراب خوری کی عادت رکھنے والا۔

عبرت کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت کے فیضان سے اس بابرکت رات میں مذکورہ گناہوں میں مبتلاء افراد محروم رہ جائیں گے۔کس قدر عبرت کی بات ہے کہ ایسے عظیم موقع پر جب کہ رحمت الٰہی انسانوں کو معاف کرنے اوران کو درگزر کرنے کا اعلان کررہی ہو اور اللہ تعالی کا منادی یہ صدا لگارہا ہو کہ ہے کوئی نادم وپشیماں جس کی مغفرت کردی جائے، ہے کوئی معصیت کا گرفتار کہ جسے معاف کردیا جائے، ہے کوئی خطا کار کہ جس پر رحم کردیا جائے، اور اللہ کے مخلص بندے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور آہ وزاری کرتے ہوئے، اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے، اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرکے معافی کی بھیک مانگتے ہوئے اپنے پرورگار کی رحمتوں کو متوجہ کررہے ہوں ایسے موقع پر ان گناہوں میں مبتلاء افراد محروم رہ جائیں!!!

آج امت بری طرح ان گناہوں کی لپیٹ میں ہے، لوگوں میں ان گناہوں کی شناعت اور برائی ہی ختم

ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہورہا ہے، ایمان کا کلمہ پڑھ کر نبی کی غلامی کا اقرار کر کے وہ تمام کام انجام دیئے جارہے ہیں جو کسی بھی طرح ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتے، دن ورات، تاریخ اور مہینوں کو موثر سمجھا جارہا ہے، اسی طرح دل ایک دوسرے کی عداوت اور دشمنی سے بھرے ہوئے ہیں، کینہ اور کپٹ دلوں میں جما ہوا ہے، حسد وغضب کی آگ دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ خیر خواہی، مودت ومحبت، ایمانی رشتے کی بنیاد پر باہمی الفت نایاب ہوتی جارہی ہے۔ قطع رحمی، اغراض کی بنیاد پر رشتوں کو پامال کرنا عام معمول بن چکا ہے۔ والدین کی نافرمانی کا نہایت شرمناک ماحول گھر گھر میں چھایا ہوا ہے، ماں باپ کی عزت وقدر دلوں سے رخصت ہوچکی ہے، ان کی بے توقیری اور ان کے مقام ومرتبہ کی پامالی ایک عام بات بن چکی ہے۔ شراب خوری کی بری لت میں بھی امت پھنستی جارہی ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ اس رات میں ان گناہوں سے معافی مانگی جائے اور ہمیشہ کے لئے ان سے توبہ کی جائے تو انشاء اللہ رحمت الٰہی کے فیض سے بہرور ہو پائیں گے۔

آخری بات:

شبِ برأت کی حقیقت اور اس کی عظمت سامنے آچکی ہے اور خود احادیث کی روشنی میں محدثین کی تشریحات سے اس کی قدر ومنزلت واضح ہوچکی ہے۔ لہذا جتنا محدثین اور امت کے علماء نے بتایا اتنا ہی کرنا چاہیے اس کے علاوہ بدعات ورسومات سے اجتناب ضروری ہے۔ کیوں کہ ہمارے معاشرہ نے شبِ برأت کے عنوان پر بہت ساری خلاف شریعت چیزوں کو بھی رائج کردیا، اور اسلامی تعلیمات کے مغایر کاموں کو عام کردیا؛ ان تمام بدعات وخرافات سے احتراز کرتے ہوئے دائرۂ شریعت میں رہ کر عبادت وتلاوت وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ: ۴۴ سے)

پھر انتخابات کی دھاندلیاں اور ای وی ایم کے گھوٹالے اس پر مستزاد ہیں۔

ملکی اور ریاستی سطح پر ملی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ اس سلسلہ میں باہمی اتحاد کے ساتھ کوئی مشترکہ پیغام عوام الناس کو دیں اور وحدت کے ساتھ کسی سیکولر پارٹی کا (برملا نہ سہی خفیہ ہی) اعلان کیا جائے تو ممکن ہے کہ نتائج بھی توقع کے مطابق اقلیتوں کے حق میں بہتر ثابت ہوں اور فرقہ واریت کی یہ مسموم فضاء تبدیل ہوسکے۔

اصلاحی مضامین

حق رائے دہی کا صحیح استعمال: ایک مذہبی فریضہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

اس بات میں ادنی تردد کی گنجائش نہیں کہ "اسلام" ایک کامل نظامِ زندگی اور رہبر بندگی کا نام ہے؛ جس میں انفرادی واجتماعی، سیاسی وسماجی ہر نوعیت کے جملہ مسائل کا مکمل حل موجود ہے، چوں کہ کار جہاں بانی بھی ایسا عمل ہے جو اجتماعیت سے تعلق رکھتا ہے، اسی لیے اس حوالے سے بھی تفصیلی احکامات شریعت محمدیہ میں بیان کردیے گئے اور اسوہ کے طور پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے مثالی حکمراں اور کامیاب قائد کی حیثیت سے دنیا میں بھیجا گیا، آپ کا زمانہ، سیاسی، سماجی، تعلیمی، اقتصادی ہر اعتبار سے تاریخ عالم کا بہترین زمانہ ہے؛ جس پر کوئی دشمن اسلام انگشت نمائی کی جسارت نہیں کرسکتا، پھر اس کے بعد خلفائے راشدین کا زمانہ سب سے بہتر ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کی پیشین گوئی فرمائی اور چشم فلک نے بھی اس کا نظارہ کیا۔ یہ سچ ہے کہ زمانہ جوں جوں عہدِ نبوت سے دور ہوتا گیا، پہلے کے بہ نسبت خیر وبھلائی بھی کم ہوتی رہی اور شر وفساد غالب آتا رہا؛ مگر ان سب کے باوجود ماضی کے اوراق پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو علانیہ معلوم ہوگا کہ اہلِ اسلام نے حکومتِ الٰہیہ کا ایسا بے مثال نظام دنیا کے ایک بڑے حصہ پر قائم کیا کہ اس سے بہتر کسی نظام کا مشاہدہ آج تک نہ ہوسکا؛ جس کے حکم راں عدل وانصاف، سچائی و پاک بازی، صفائی قلب وروشن ضمیری اور خدا ترسی ورعایا پروری میں اپنی مثال آپ تھے: مگر جب بدقسمتی سے شامت اعمال کے سبب اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہوگیا تو رفتہ رفتہ جمہوری نظام ساری دنیا میں رائج ہوگیا اور اسے دوسرے نظاموں کے مقابلہ میں اچھی نظروں سے دیکھا جانے لگا؛ کیوں کہ اس نظام میں ہر فرد کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے اور حکومت سازی کا پورا مدار عوام کے انتخاب پر ہوتا ہے؛ اسی انتخاب کو انگریزی میں الیکشن کہا جاتا ہے جو درحقیقت جمہوری ممالک کے لیے ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے۔

یوں تو جمہوریت حکومت چلانے کا ایک نظام ہے جس میں کمزوریاں اور نقائص بھی ہوسکتے ہیں تاہم ان کی اصلاح بھی ایک مسلسل انتخابی عمل سے ممکن ہے۔ ہمارا ملک بھی چوں کہ ایک جمہوری ملک ہے اس لیے اس میں بھی عام جمہوری ممالک کی طرح انتخابات ہوتے ہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ میں بنیادی طور پر دو ایوان ہوتے

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہٰذا

ہیں جو مقننہ کہلاتے ہیں ۔ایک تو لوک سبھا جس میں 545 ارکان ہوتے ہیں ۔543 ارکان کا انتخاب پانچ برس کی مدت کے لیے ہوتا ہے جبکہ بقیہ دو ارکان کو اینگلو بھارتی برادری کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ 550 ارکان کا انتخاب اکثریتی انتخابات کے نظام کے تحت ہوتا ہے۔دوسرا راجیہ سبھا جس میں 245 ارکان ہوتے ہیں جن میں 233 ارکان چھ سال کے لیے منتخب ہوتے ہیں، اور ہر دو سال میں ایک تہائی سبکدوش ہوجاتے ہیں۔ ان ارکان کا انتخاب ریاست اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے ارکان اسمبلی کی جانب سے کیا جاتا ہے۔بارہ نامزد ارکان کو عام طور پر نامور فنکاروں (بشمول اداکار) سائنسدانوں، قانون دانوں، کھلاڑیوں، تاجروں، صحافیوں اور عام لوگوں میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔

لوک سبھا عوامی نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے جسے ہر بالغ شخص کی رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات کے ذریعہ منتخب کیا جاتا ہے۔آئین ہند میں مذکور ایوان کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت 552 ارکان کی ہے جن میں سے 530 ارکان ریاستوں کی اور 20 ارکان مرکز کی نمائندگی کرتے ہیں نیز دو رکن اینگلو بھارتی برادریوں کی نمائندگی کے لیے صدر کی جانب سے نامزد کئے جاتے ہیں؛ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب صدر جمہوریہ کو محسوس ہو کہ اس برادری کی ایوان میں نمائندگی ناکافی ہے۔(ویکیپیڈیا)

انتخابات کی حقیقی نوعیت اور موجودہ صورت حال:

جمہوریت کے اپنے تقاضے اور اس کا پہیہ چلتے رہنے کے اپنے اصول ہیں، آئین کی رو سے ہر بالغ شہری کو پارلیمانی انتخابات میں ملکی مفاد کے لیے اور اسمبلی انتخابات میں ریاستی مفاد کے لیے اپنے نمائندے چننے کا حق دیا گیا ہے جسے وہ اپنے ووٹ کے ذریعے استعمال کرتا ہے۔ضابطہ کی رُو سے جب ایک حکومت اپنا وقت پورا کر لیتی ہے تو عوام کو نئی اسمبلی یا پارلیمنٹ بنانے کے لئے اپنے نمائندے چننے کا موقع دیا جاتا ہے، عوام ہی وہ نمائندے چنتی ہے اور کسی ایک سیاسی پارٹی کو اس کیلئے منتخب کرتی ہے، جو جو سیاسی پارٹیاں اس وقت ملک میں کام کر رہی ہیں ان میں سے ہر ایک کا ایک طریقہ کار ہے، اس بناء پر سب سے پہلے ہر پارٹی کو اپنا طریقہ کار لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے جسے پارٹی کا منشور کہا جاتا ہے، عوام کی اکثریت چونکہ ہر پارٹی کے منشور سے واقف نہیں ہوتی؛ اس لئے پارٹیاں اور ان کے نمائندے، لوگوں کے سامنے وہ منشور رکھتے ہیں، یہ کام وہ جلسے جلوسوں کے ذریعے بھی کرتے ہیں اور ڈور ٹو ڈور یعنی گھر گھر جا کر بھی اپنا پیغام پہنچاتے ہیں اور لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا منشور عوام کے مفاد میں دوسری پارٹیوں سے بہتر ہے اس لئے وہ ان ہی کے اراکین کو ووٹ کے ذریعے اسمبلی یا پارلیمنٹ میں بھیجیں۔ان مراحل سے گزرنے کے بعد حکومت تشکیل پاتی ہے

جو پانچ سال تک عوامی مفادات کے لیے کام کرتی ہے۔

مذکورہ شفاف نظام کے بالمقابل موجودہ انتخابی صورت حال نہایت افسوس ناک اور غیر آئینی ہے، انسانی سماج کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حکمراں طبقہ ہے جس میں لالچی سرمایہ دار، بدعنوان اعلیٰ افسران اور مفاد پرست سیاستداں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پسماندہ طبقات، اقلیتی سماج اور غریب عوام ہیں۔ ان دونوں طبقات کے مقاصد متضاد، مسائل مختلف اور ضرورتیں الگ الگ ہیں۔ ایک کا مقصد اپنی سیاسی برتری قائم ودائم رکھنا اور دوسرے کا اسے نیست ونابود کرنا ہے۔ ایک کی ضرورت عوام کو تقسیم کرنا ہے تاکہ ان کی توجہ بنیادی مسائل سے ہٹائی جاسکے دوسرے کی ضرورت متحد ہوکر جدوجہد کرنا ہے تاکہ بنیادی حقوق کا تحفظ ہوسکے۔ جب تک ان دونوں طبقات کے مقاصد عوامی مفاد کے لیے متحد نہیں ہوں گے تب تک جبر واستحصال سے نجات ناممکن ہے۔ معاشی استحصال اور فسطائیت کا قلع قمع کرنے کی خاطر اخوت ومحبت کی بنیاد پر ایک مشترکہ جدوجہد ناگزیر ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ہمارا ووٹ شرعاً تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ (1) شہادت (2) سفارش (3) حقوق مشترکہ کی وکالت۔ تینوں صورتوں میں جس طرح قابل، اہل اور امانت دار آدمی کو ووٹ دینا موجب ثوابِ عظیم ہے اور اس کے ثمرات سب کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نااہل اور خائن شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے، بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن اعمال بھی اسکے اعمال نامہ میں لکھے جائیں گے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہ نہ بتلاؤں؟ یہ الفاظ آپ نے تین بار دہرائے، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور بتلایئے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، ابھی تک آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو!! جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا، پھر آپ یہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش آپ خاموش ہوجاتے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

حضرت خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ ﷺ نے نمازِ فجر ادا فرمائی، جب فارغ ہوئے تو کھڑے ہوکر 3 مرتبہ ارشاد فرمایا: ''جھوٹی گواہی، اللہ عَزَّ وَجَلّ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دی گئی ہے۔'' پھر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ترجمہ، دور رہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے، ایک اللہ کے ہوکر کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (ابوداؤد)

اسی طرح بیہقی میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے راویت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جوشخص لوگوں کے ساتھ یہ ظاہر کرتے ہوئے چلا کہ یہ بھی گواہ ہے، حالاں کہ یہ گواہ نہیں، تو وہ بھی جھوٹے گواہ کے حکم میں ہے اور جو بغیر جانے ہوئے کسی کے مقدمے کی پیروی کرے، وہ اللہ کی ناخوشی میں ہے، جب تک اُس سے جدا نہ ہوجائے“ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو گواہی کے لیے بلایا گیا اور اُس نے گواہی چھپائی یعنی ادا کرنے سے گریز کیا وہ ویسا ہی ہے جیسا جھوٹی گواہی دینے والا۔ یعنی دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“ (طبرانی)

اسی طرح ووٹ ایک سفارش ومشورہ ہے جسے حدیث میں امانت کہا گیا، اس امانت کا تقاضا یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر کسی بھی ذاتی مفاد اور قرابت وتعلقات کا لحاظ کیے بغیر اجتماعی منفعت کو سامنے رکھ کر حق رائے دہی کا استعمال کیا جائے، اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ہم خوشامد کرنے والوں، رشوت دینے والوں اور سبز باغ دکھانے والوں کے فریب میں آجاتے ہیں اور بلا سوچ سمجھے اپنے روشن مستقبل کو اپنے ہی ہاتھوں سے داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

یاد رکھیں! ووٹ دراصل ضمیر کی آواز اور دل کی پکار ہے، یہ کوئی تفریح اور دل لگی نہیں کہ جیسے چاہا اس حق کا استعمال کرلیا؛ اس لیے اس مسئلہ میں نری جذباتیت سے کام لینے کے بجائے ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ ماضی کی کارکردگی اور مستقبل کے امکانات کو پیش نظر رکھ کر کوئی حتمی فیصلہ کرنا چاہیے؛ تاکہ ریاست میں جمہوری نظام قائم رہے اور امن وامان وخوش حالی عوام کا مقدر بنے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

جمہوری ملک میں ہمارا ایک ووٹ ہمارے لیے بہت بڑی طاقت ہے، اس کے ذریعہ ہم جسے چاہیں تخت حکومت پر بٹھا سکتے ہیں اور جسے چاہے اتار سکتے ہیں۔ ووٹ دینا ایک سنجیدہ نوعیت کی ذمہ داری ہے؛ جس کی حرمت غیر سنجیدہ سرگرمیوں سے ضائع ہوجاتی ہے۔ ریاست کا ایک ذمہ دار شہری ہونے کے ناطے ہمیں اپنے اور اپنے گھر والوں کے ووٹ کا درست استعمال کرنا چاہیئے۔ ووٹ کی اس اہمیت کے باوجود ہمارے اردگرد بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یا تو ووٹ ہی نہیں دیتے یا اس کو غیر ضروری سمجھ کر غلط استعمال کرتے ہیں۔ الیکشن کا دن ان کے لیے تو بس ایک چُھٹی کا دن ہوتا ہے کہ جسے سو کر آرام کے ساتھ گزار دیا جاتا ہے۔ یہ بات ہمیں سمجھ لینی چاہیئے کہ فرقہ پرست، بدعنوان اور بددیانت حکمران ہماری ہی غلطیوں کی وجہ سے ہم پر مسلط ہوتے ہیں۔ ناعاقبت اندیش لوگوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو چند ٹکوں کے لیے اپنا ووٹ بیچ دیتی ہے محض اس خام خیالی کی بنیاد پر کہ ہمارے ایک ووٹ سے کونسی تبدیلی آجائے گی۔ ایسے لوگ وقتی فائدے کی خاطر اپنا اور اپنی آنے والی نسلوں کا مستقبل داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اس خطرناک نقصان کا اندازہ بھی نہیں کر پاتے جو رفتہ رفتہ انہیں کھوکھلا کر

دیتا ہے، اس کے برعکس تعلیم یافتہ معاشروں میں عوام کو بخوبی احساس ہوتا ہے کہ ان کا ووٹ ملک کے لیے کتنا اہم ہے، ان کی ذراسی غفلت کتنے بھیانک نتائج کا سبب بن سکتی ہے۔ اس بات کی افادیت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ قطرہ قطرہ ملنے سے ہی دریا بنتا ہے۔ ہمارا ایک ووٹ دراصل ایک ووٹ ہی نہیں بلکہ ایک نئی اور بہتر سوچ کی کرن ہے، جو ہمارے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے ہمارا کچھ وقت، ہمت اور ایک صحیح فیصلہ مانگتی ہے۔

گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است:

یہ ایک فارسی محاورہ ہے؛ جس کا مطلب ہے بہت فائدہ اگر نہ ہو تو تھوڑا ہی سہی۔ یعنی اگر ہمارے حلقے میں کوئی ایک بھی بہتر اور قابل امیدوار ہے تو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا شرعاً ممنوع اور قوم وملت پر ظلم کے مترادف ہے، اگر حلقے میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنوں میں قیادت کے لائق اور دیانتدار نہیں ہے تو موجود امیدواروں میں سے کسی بھی امیدوار کی ایک صلاحیت یا ایک خوبی کو مدِ نظر رکھ کر کم برائی کو اختیار کرنے کے خیال سے ووٹ دینا چاہیے، اس معاملہ میں یہ اصول بھی ذہن نشین کرلیں کہ شخصی معاملات میں کسی فرد کی غلطی کا اثر صرف اسی فرد تک محدود رہتا ہے، اس کی سزا و جزا کا حقدار بھی وہی ہے۔ البتہ قومی وملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔ ہمارا ووٹ نہ دینا یا غلط پارٹی کو منتخب کرنا پوری قوم کو متاثر کرسکتا ہے اس لیے ووٹ مکمل ذمہ داری کے ساتھ دیں اور اپنے علاقے کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے اس حق کا استعمال کریں۔

ہماری ملی قیادت:

انتخابات کا یہ موقع ملی قیادت کے لیے بہت بڑے ابتلاء کی گھڑی ہے، بلکہ یہ ایک قیامت خیز مرحلہ ہے، جس پر سے گزرنا ہماری دینی تنظیموں کے لیے پل صراط پر سے گزرنے کے مرادف ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان حضرات کا ایک غلط فیصلہ یا غلط ترجیح ساری قوم کے لیے نقصان وخسران کا سبب بن سکتی ہے۔ گذشتہ مرکزی انتخابات میں بھی بیشتر ریاستوں؛ بلکہ مسلم اکثریتی علاقوں میں فرقہ پرست عناصر کے برسرِ اقتدار آنے کی وجہ صرف اور صرف ہماری قیادت کا تشتت اور افتراق ہے، ایک ہی علاقے سے دو مسلم لیڈروں کی نامزدگی بالیقین مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیتی ہے، ایسے میں ہماری نظریں صرف قیادت پر ہوتی ہیں، اگر وہ بھی دو دھڑوں میں منقسم ہوجائے تو پھر انتخابی نتائج سے پہلے ہی قطعیت کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے ہم اپنا حق ہار چکے ہیں۔ گہری سیاسی بصیرت رکھنے والے دانشوروں کے مطابق تشدد پسند ذہنیت کے حامل لوگوں کے اقتدار میں آنے کا ایک سبب تو مسلمانوں کی رائے دہی کا اقل ترین تناسب ہے اور دوسرا سبب اپنوں کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم کے وقت اجتماعی مفاد کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا ہے،-------- (بقیہ صفحہ: ۳۹ پر)

نقوشِ رفتگاں

حضرت مولانا جمیل احمد سکروڑوی رحمہ اللہ

منفرد استاد باکمال شخصیت

مفتی اشرف عباس قاسمی*

آہ! آج مورخہ 24 رجب المرجب مطابق 31 مارچ 2018 دارالعلوم دیوبند کے مقبول استاذ، طلبا کے ہردلعزیز اور مشفق معلم، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڑوی بھی طویل علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ابھی پانچ بجے اس حادثہ جانکاہ کی خبر سے ہر کوئی صدمے میں ہے اور پورے دارالعلوم کی فضا سوگوار اور غم زدہ ہے، مولانا کے انتقال کے ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند اپنی تدریس کے ایک ستون اور اپنے ایک مایہ ناز سپوت سے محروم ہوگیا، حضرت مولانا جمیل احمد صاحب 1946ء کے آس پاس اپنے وطن سکروڈہ ضلع ہریدوار میں پیدا ہوئے، اپنے وطن کے بعد کاشف العلوم چھٹملپور اور مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور سن 1390ھ مطابق 1970ء میں دورہ حدیث شریف سے اعلیٰ نمبرات کے ساتھ فراغت حاصل کی، ہاپوڑ اور گاگالیہڑی میں چند سال تدریسی خدمات کے بعد آپ کے بزرگ اساتذہ کی جوہر شناس نگاہوں نے دارالعلوم دیوبند کے لیے آپ کا انتخاب فرمالیا اور 1397ھ مطابق 1977ء میں آپ باضابطہ دارالعلوم کے مدرس بن گئے۔ متحدہ دارالعلوم میں ہی آپ کی تدریس انتہائی مقبول اور مشہور تھی پھر جب تقسیم کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا تو آپ نے وقف دارالعلوم کا اپنے لیے انتخاب فرمایا اور وہاں سالہا سال دیگر فنون کے ساتھ حدیث شریف کی کامیاب تدریس فرماتے رہے۔ ترمذی شریف آپ سے متعلق تھی ہی، وقتاً فوقتاً بخاری شریف اور مسلم شریف بھی آپ کے زیردرس رہی۔ 1420ھ مطابق 2000ء میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کی واپسی ہوئی۔ اور اس کے بعد سے تسلسل کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں مختلف کتابوں اور امہات فن کی کامیاب تدریس فرماتے رہے۔ گزشتہ تین سالوں سے دورہ حدیث شریف کی کتاب مؤطا مالک بھی آپ سے متعلق تھی اور اس طرح دورہ حدیث شریف کے طلبہ کو بھی آپ سے انتساب اور استفادے کی سعادت ملتی رہی، ہمیں حضرت مولانا سے شعبہ افتاء کی کتاب قواعد الفقہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا یہ کتاب بڑی محنت اور ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے، روزانہ تمام طلبہ

*استاذ دارالعلوم دیوبند

سے قواعد کے زبانی سننے کا معمول تھا، اس کے بعد قواعد کی مختصر تشریح فرماتے اور مثالوں کے ساتھ انطباق کا خاص اہتمام فرماتے۔

حضرت مولانا نے درسی کتابوں کی شروح کا بھی کامیاب سلسلہ شروع فرمایا اور آپ کی تحریر کردہ اشرف الہدایہ، اجمل الحواشی، فیض سبحانی، تکمیل الامانی، قوت الاخیار وغیرہ آج بھی طلبا میں انتہائی مقبول اور متداول ہیں۔ برصغیر کے مدارس میں ان شروح کی کافی مانگ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا با کمال اور کامیاب ترین اساتذہ میں سے تھے، آپ کا درس جامع اور محققانہ ہوتا تھا، زیادہ قیل قال کو پسند نہیں فرماتے تھے، سبق کی واضح تشریح کرتے تھے، اپنی نجی زندگی میں بھی انتہائی کھرے انسان تھے، صاف گوئی اور ظاہر و باطن کی یکسانیت آپ کا خاص امتیاز تھا، چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور خردنوازی کا معاملہ فرماتے، لیکن اگر کوئی نامناسب بات دیکھتے تو روکنے اور تنبیہ کرنے میں بھی ذرہ برابر تردد نہ ہوتا تھا۔ سال گزشتہ ہی آپ پر جان لیوا مرض کا حملہ ہوا تھا، تشخیص کے بعد امید تھی کہ شاید یہ مرض کمزور پڑ جائے گا اور صحت بحال ہوجائے گی۔ شروع میں مولانا کی عزیمت اور قوت ارادی سے ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ غالبا مرض زائل ہو چکا ہے کیونکہ کبھی اگر تذکرہ بھی ہوتا تو اس طرح گفتگو فرماتے جیسے ایسے موذی مرض کی وجہ سے بھی مولانا قطعی پریشان نہیں ہیں، لیکن اندر ہی اندر گھلتے رہے اور یہ مرض اپنا اثر دکھاتا رہا۔ گذشتہ دو ماہ سے ضعف اور نقاہت کافی بڑھ گئی تھی، اور اب مولانا کی گفتگو سے بھی اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ چنانچہ ایک ماہ قبل جب فون پر رابطہ ہوا تو بڑے کرب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دعاوں کا اس وقت بہت زیادہ محتاج ہوں، بڑی پریشانی محسوس کرر ہا ہوں، ہفتہ عشرہ قبل جب ڈاکٹر ڈی کے جین کے یہاں حاضری ہوئی تو اس وقت آپ کا کرب اور بے چینی ناقابل برداشت تھی، ہم وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور تھوڑی دیر میں اجازت لے کر واپس آ گئے۔ مرض کی شدت کے سبب دہلی منتقل کر دیے گئے تھے۔ لیکن آج شام کو جس کا خدشہ تھا وہ حادثہ پیش آ ہی گیا۔ اور مولانا اپنے تمام لواحقین پسماندگان اور شاگردوں کے ایک جم غفیر کو غمزدہ چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جا ملے۔ مولانا نے اپنے ہزاروں شاگردوں کے علاوہ ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادگان حافظ خلیل، مولانا عبداللہ جمیل اور حافظ عبدالرحمن جمیل کو چھوڑا ہے مولانا کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ابھی حادثے کا طبیعت پر خاص اثر ہے اس لئے میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ پاک ہمارے استاد محترم کی جملہ خدمات کو قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام بلند نصیب کریں اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

راہِ حق قسط (۵)

مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

گنگا سے زمزم تک

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی کشٹاپوری رحمہ اللہ ریاست تلنگانہ کے مؤقر عالمِ دین، دارالعلوم حیدرآباد اور مدرسہ فیض القرآن کشٹاپور کے مایہ ناز مدرس اور ناظم تھے، اُن کا خاندانی پس منظر اور اس کی تفصیلات خود حضرت مولانا رحمہ اللہ نے املا کروادی تھی، مولانا عرفات اعجاز اعظمی صاحب نے اس کو مرتب اور مہذب کر دیا ہے، بڑی دلچسپ روداد اور عبرت خیز داستان ہے، افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از مرتب غفرلہٗ

ہفتہ عشرہ گھر پر رہا، اس کے بعد مدرسہ رحمانیہ کے ارادے نکلنے لگا تو والد صاحب نے پوچھا کہ "بیٹے کہاں جا رہے ہو؟" میں نے کہا "حیدرآباد" تو والد صاحب نے ایک عجیب بات فرمائی ـــــ آج اس کا مجھ کو احساس ہو رہا ہے اور اس کا مقصد سمجھ میں آرہا ہے، اس وقت والد صاحب کی وہ بات مجنوں کی بَڑ معلوم ہو رہی تھی، ـــــ والد صاحب نے کہا تھا کہ "میں نے تم کو شہر کے لیے نہیں پڑھایا تھا، بلکہ میں نے تم کو اپنی بستی اور اطراف کے علاقے میں کام کرنے کے لیے پڑھایا تھا تاکہ اس علاقے کے لوگوں میں بھی دین عام ہو، اور دینداری کا جذبہ بیدار ہو۔ اور آپ ہیں کہ شہر جانے کی بات کر رہے ہیں، جہاں پہلے سے ہی قابل اعتماد علماء کی جماعت کام کر رہی ہے۔" اس وقت والد صاحب کی یہ بات اور ان کا یہ جذبہ میرے لیے قابل تعجب تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ دیہات میں رہتے ہیں، محدود سوچ ہے، اس لیے اس طرح کی بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا "ابا! میں نے سات آٹھ سال باہر رہ کر بڑی بڑی کتابیں پڑھی ہیں، کیا میں نے فضیلت تک کی تعلیم گاؤں میں مکتب اور چھوٹے بچوں کو قرآن پڑھانے کے لیے حاصل کی ہے۔" اس پر والد صاحب نے جو بات فرمائی وہ سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے۔ فرمایا "بیٹے! میں دیہاتی ہوں، کاشتکار ہوں، مجھے یہ سب نہیں معلوم کہ تو کیا پڑھ کر آیا ہے اور تجھے کیا پڑھانا چاہیے، بس! میں اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے ہمیں کفر و شرک سے نکال کر اسلام کی دولت سے مالامال کیا اور اسلامی تعلیمات سے آراستہ کیا، اب یہ ہمارا حق ہے کہ ہم اپنے علم سے یا عمل سے اپنے رشتہ داروں، گاؤں، پڑوس والوں اور علاقے کے لوگوں کو نجات کی طرف بلائیں۔ ہماری دعوت کے اولین

مخاطب ہمارے قریبی لوگ ہونے چاہئیں۔علم دین حاصل کرنے کا فائدہ سب سے پہلے ہمارے اردگرد رہنے والوں کو پہنچنا چاہیے۔'' مگر افسوس! اس وقت والد صاحب کی یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ان کے سمجھانے کے باوجود میں حیدرآباد مدرسہ رحمانیہ آگیا اور تدریس کا آغاز کردیا۔

میں نے تین سال مدرسہ رحمانیہ میں کار تدریس انجام دیا، اس مدت میں کئی طرح کے حالات اور تقاضے سامنے آتے رہے جس کی تفصیل کی ضرورت میں نہیں سمجھتا، اس لیے ترک کررہا ہوں، ہاں البتہ کار تدریس میں شریک چند حضرات کا نام شمار کرنا نامناسب نہیں ہوگا، ان میں سے ایک مولانا شعیب رحمانی صاحب اور دوسرے مولانا عبدالرشید صاحب تھے۔ ہر دو حضرات کا شمار مدرسہ کے بڑے مدرسین میں ہوتا تھا اور حیدرآباد کے بڑے علماء میں سے یہ دونوں حضرات بھی ہیں۔

مولانا عاقل صاحب کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے۔جب میں مدرسہ رحمانیہ میں تھا تو اس زمانے میں نومسلموں میں تعلیم وتربیت کا کوئی نظم نہیں تھا۔بس حضرت کے ہاتھ پر کلمہ پڑھتے اور اپنے وطن یا کہیں اور چلے جاتے، بسا اوقات تعلیم وتربیت نہ ہونے کی وجہ سے ایسا بھی ہوتا کہ کچھ دن پابند رہتے، اس کے بعد یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ وہ ایمان پر باقی ہیں یا نہیں! یہ تشویش ناک بات تھی۔حضرت اور رحیم الدین انصاری صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سلسلہ میں غور فکر اور مشورے شروع ہوئے۔احقر بھی دار العلوم رحمانیہ سے ہر جمعرات کو چھٹی ہونے کے بعد حضرت کے مکان پر حاضر ہوجاتا تھا اور جمعہ کا دن وہیں گزار کر ہفتہ کے روز مدرسہ لوٹ جاتا تھا، اس طرح سے چھٹی کے ان دنوں میں مجھے بھی مشورہ میں شریک ہونے کا موقع مل جاتا۔

مشورے میں نومسلموں کے لیے ایک تربیتی مرکز کے قیام کا پروگرام طے ہوا، جس کے لیے باؤلی کے اندر ایک وسیع مکان تقریباً ۲۵۰ یا ۲۶۰ گز کا کرایہ پر لیا گیا اور ایک جلسہ کرکے ''مدرسہ حسامیہ برائے نومسلمین'' کے نام سے تعلیمی وتربیتی ادارہ قائم کردیا گیا۔الحمدللہ! یہ ادارہ آج بھی کام کررہا ہے۔

اس مدرسے کے ابتدائی مدرسین میں سے حضرت مولانا عبداللہ قریشی صاحب تھے جو اس وقت جامعہ نظامیہ کے نائب شیخ الحدیث اور حیدرآباد شہر کی مرکزی جامع مسجد ''مکہ مسجد'' کے خطیب ہیں۔اور ان کے چھوٹے بھائی ......ان کا نام ذہن میں نہیں رہا...... جو کہ چوک کی مسجد کے خطیب تھے، وہ بھی اس مدرسے میں بحیثیت مدرس ایک سال کام کیے ہیں۔مولانا عاقل صاحب اور رحیم الدین صاحب کی خواہش تھی کہ میں بھی اس مدرسے سے جڑ جاؤں اور خدمت کروں، خود میری بھی دلی خواہش اس مدرسے میں کام کرنے کی تھی۔چنانچہ حضرت کی خواہش کا جب مجھے علم ہوا تو فوراً میں نے اپنی خدمات پیش کردیں اور اس مدرسے جڑ گیا۔(جاری۔۔۔۔۔)

فقہ وفتاویٰ

اوقاتِ صلوٰۃ سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

فجر کا مستحب وقت

سوال: نماز فجر کا وقت کب سے شروع ہوکر کب ختم ہوتا ہے؟

جواب: نماز فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے، البتہ فجر کی نماز اسفار (خوب روشنی) کر کے پڑھنا مستحب ہے، لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ کبھی نماز کے فاسد ہونے کی صورت میں مسنون طریقہ سے اعادۂ صلوٰۃ کی گنجائش نہ رہے۔ (لہذا طلوع آفتاب سے کم از کم ۲۵/۳۰ منٹ قبل نماز فجر شروع کرنا چاہئے)

(کتاب النوازل ۳/۲۱۵)

سورج نکلتے وقت اعلان کرنے سے منع کرنے کی وجہ

سوال: آج کل شہروں اور دیہاتوں میں یہ رواج زور پکڑتا جارہا ہے کہ سورج نکلنے کے وقت مساجد سے نماز کے وقت کے ختم ہونا کا اعلان کیا جاتا ہے، تو کیا اس طرح اعلان کرنا شرعا درست ہے؟

جواب: سورج نکلتے وقت اس طرح اعلان کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے بلکہ فقہی جزئیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عام آدمی مکروہ وقت میں نماز پڑھ رہا ہو تو اسے نہ روکا جائے، اس لئے کہ اس وقت روکنے سے وہ ہمیشہ چھوڑ دے گا، لہذا چھوڑنے کے بجائے پڑھ لینا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ بعض علماء کے نزدیک اس وقت بھی نماز ہوجاتی ہے۔ (کتاب النوازل ۳/۲۲۷)

نماز فجر کی فوت شدہ سنتوں کا حکم؟

سوال: اگر کسی کی فجر کی سنتیں رہ جائیں تو وہ کب ادا کریں؟ کیا وہ نماز فجر کے فوری بعد پڑھ سکتا ہے؟

جواب: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ فجر کی فرض نماز کے بعد کسی طرح کی سنت یا نفل پڑھنا مکروہ ہے

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

البتہ طلوع آفتاب کے بعد اشراق کے وقت پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(کتاب النوازل: ۳/۳۲۱)

نماز اشراق کا وقت

سوال: اشراق کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب: سورج کے طلوع ہونے کے تقریباً ۱۵۔۲۰ منٹ (مکروہ وقت گذر جانے) کے بعد اشراق کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(کتاب النوازل ۳/۲۳۴)

سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ، اور قضا نماز نماز عصر کے بعد پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: عصر کی نماز کے بعد سجدۂ تلاوت، قضا اور نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بعد نماز عصر سورج میں تغیر آنے سے پہلے تک سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ، اور قضا نمازیں پڑھی جاسکتی ہے، اگر اسی وقت سجدۂ تلاوت واجب ہو یا جنازہ حاضر ہوتو غروب سے پہلے بھی ادا کرنے کی گنجائش ہے ۔(فتاوی محمودیہ ۲/۲۰۶)

نماز مغرب میں کتنی جلدی کرنا چاہیئے؟

سوال: نمازِ مغرب میں کتنی جلدی کا حکم ہے؟ مؤذن اذان دے کر صفوں تک بھی نہیں آپاتا کہ دوسرا شخص تکبیر شروع کردیتا ہے تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

جواب: مغرب میں اذان اور اقامت کے درمیان قدرے فصل ہونا چاہیے، جس کا اندازۂ فقہاء نے تین چھوٹی آیتیں پڑھنے سے لگایا ہے، اور اتنی جلدی کرنا کی مؤذن صف تک بھی نہ پہونچنے پائے کہ تکبیر شروع کردی جائے یہ صحیح نہیں ہے۔(فتاوی ہندیہ ۱/۵۷)

کن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال: کن اوقت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب: درج ذیل تین اوقت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:(۱) سورج طلوع ہونے سے اشراق کا وقت شروع ہونے تک یعنی تقریبا ۱۵۔۲۰ منٹ (۲) استواء کے وقت (یعنی زوال کے وقت) (۳) سورج غروب ہونے کے وقت۔

(کتاب النوازل ۳/۲۶۱)